جُوناگڑھ

اُجڑے دیار کی کہانی

مئولف

اقبال پاریکھ

ریاست جُوناگڑھ کے 9 نوابین کے حالات زندگی

1 نواب محمد بہادر خان (اوّل) شیر خان بابی

2 نواب محمد مہابت خان (اوّل)

3 نواب محمد حامد خان (اوّل)

4 نواب محمد بہادر خان (دوم)

5 نواب محمد حامد خان (دوم)

6 نواب محمد مہابت خان (دوم)

7 نواب محمد بہادر خان (سوم)

8 نواب محمد رسول خان

9 نواب محمد مہابت خان (سوم)

نواب محمد بہادر خان (اوّل) شیر خان بابی پہلے نواب صاحب

1748ء سے 1758ء

صفدر خان کے خاندان میں جس طرح صلابت خان اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ بہادر، نڈر اور باصلاحیت تھے، اسطرح بہادر خان بہادر بھی صلابت خان فیملی میں انہی خصوصیات کے حامل تھے۔ 1719ء میں بہادر خان کو احمد آباد شہر اور نواحی علاقوں کا فوجدار (گورنر) مقرر کیا گیا اور انہوں نے اپنے فرائض بڑے احسن طریقے سے انجام دیئے۔

1728ء میں بہادر خان کو ان کے والد کی جگہ جوناگڑھ کا نائب فوجدار مقرر کیا گیا۔ 1732ء میں بہادر خان کو ترقی دے کر بروڈا کا فوجدار تعینات کر دیا گیا اور ان کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے شہنشاہ محمد شاہ نے انہیں نواب بنا دیا جس کے بعد 1734ء میں انہیں ویرام گام کا فوجدار مقرر کیا گیا۔ ان دنوں جوناگڑھ میں بہت کشیدگی اور سورش برپا تھی، حکومتی محاصل کی ادائیگیاں نہیں ہو رہی تھیں اور مراٹھوں نے دہشت مچا رکھی تھی لہٰذا 1738ء میں بہادر خان اول عرف شیر خان کو برطانوی راج کے احکامات کے تحت وہاں بطور نواب بھیجا گیا، نواب بہادر خان نے پانچ سال باغیوں کی سرکوبی کر کے کاٹھیاواڑ کے علاقے میں امن وامان قائم کر دیا جس کے بعد وہ احمد آباد اور قرب وجوار کے علاقوں کے ذمہ داران کی مدد کو پہنچ گئے۔ جب بہادر خان نے دیکھا کہ گجرات کے حالات بد سے بدتر ہو رہے ہیں تو انہوں نے وادینور کا علاقہ اپنے بیٹے سردار محمد خان کے حوالے کیا اور 1748ء میں واپس جوناگڑھ آ گئے، ان کی غیر موجودگی میں جوناگڑھ کے انتظامات ان کی بیویوں لاڈی بیگم اور امینہ بیگم نے سنبھالے۔

نواب بہادر خان اوّل عرف شیر خان 1758ء میں وفات پا گئے اور انہیں جوناگڑھ میں مسجد چیتا خانہ کے مقابل مقبرے میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ شیر خان نے گجرات کے مختلف مقامات پر 30 سال تک خدمات انجام دیں، وہ بڑا مشکل اور ہنگامی دور تھا اور اس زمانے میں مسلمانوں کی مراٹھوں سے کئی جنگیں بھی ہوئیں، نواب صاحب کے چار بیٹے تھے جن میں سے بڑے صاحبزادے مہابت خان جوناگڑھ کے دوسرے نواب مقرر ہوئے۔

نواب محمد مہابت خان بابی (اوّل) دوسرے نواب صاحب

1758ء سے 1774ء

برطانوی راج کے احکامات کے تحت نعمت خان لودھی نے ویراول، پٹن اور دیگر پرا گنہ کو اپنی جاگیر بنا رکھا تھا۔ پٹن کے لوگ اکثر بغاوت پر اتر آتے تھے لیکن نعمت خان اتنا طاقتور تھا کہ اس نے سورشوں کو کچل دیا۔ نعمت خان کے انتقال کے مہابت خان اوّل کی پھوپھی سلطان بیگم نے ویراول کو اپنے قبضے میں لے لیا اور بعدازاں 1762ء میں مانگرول کے شیخ میاں قاضی نے یہ علاقہ سلطان بیگم سے چھین لیا۔ نواب مہابت خان اول نے خطے میں اپنے اقتدار کو مستحکم کرتے ہوئے سیاسی وجوہ کی بنا پر مناسب خیال کیا کہ ویراول کو اپنے زیر نگیں کر لیا جائے لہٰذا 1764ء میں انہوں نے اپنی فوجیں بھیج کر ویراول پر قبضہ کر لیا۔

بھاونگر سے 31 میل کے فاصلے پر ایک خوبصورت مقام تا راجہ کے نام سے تھا جو باریا می ایک کولی قبیلے کے قبضے میں تھا۔ یہ لوگ پیشہ ور لٹیرے تھے اور انگریزوں کے جہاز تک لوٹ لیا کرتے تھے انہوں نے اتنی طاقت پکڑ لی تھی کہ بھاونگر کا راجہ بھی ان سے خوف کھاتا تھا۔ بالآخر ان کی بڑھتی ہوئی لوٹ مار سے تنگ آ کر راجہ نے مہابت خان سے امداد طلب کر لی جنھوں اپنی فوج بھیج کر باریہ لٹیروں کی سرکوبی کی۔ کولی باریہ لوگوں نے بھاری رقومات ادا کیں اور آئندہ لوٹ مار نہ کرنے کا وعدہ کر لیا۔

مانگرول کے شیخ میاں قاضی نواب صاحب کے احکامات کی مسلسل روگردانی کر رہے تھے لہٰذا نواب مہابت خان اوّل نے 1770ء میں ایک لشکر مانگرول بھیج دیا۔ مانگرول کا محاصرہ کر لیا گیا اور بمباری بھی کی گئی اور شیخ میاں نے بے بس ہو کے اپنا آدھا پرا گنہ دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ نواب مہابت خان اوّل نے غریب عوام کو گونڈل کے ٹھاکر خوب چند جاڈیجا، زمیندار چاند پٹن اور ونکانیر کے ٹھاکر سے نجات دلوائی۔

1774ء میں نواب مہابت خان اوّل 40 سال کی عمر میں انتقال کر گئے اور اپنے آبائی مقبرے میں دفن کیا گیا نواب صاحب نہایت بہادر اور مذہبی آدمی تھے اور انہوں نے اپنی پڑوسی ریاستوں بھاونگر، جام نگر، گونڈل کے حکمرانوں کی باغیوں کے خلاف بڑی مدد کی۔

نواب محمد حامد خان بابی (اوّل) تیسرے نواب صاحب

1774ء سے 1811ء

نواب محمد حامد خان اوّل، جوناگڑھ کے واحد نواب ہیں جو صرف 8 سال کی عمر میں نواب بنائے گئے۔ 1774ء میں اپنے والد نواب مہابت خان کے انتقال پر مسند اقتدار سنبھالا۔ اس زمانے میں ان کے چچاؤں مختار خان اور عادل خان بانٹوا کے جاگیردار تھے۔ انہوں نے وَنتھلی کے قلعہ پر قبضہ کرلیا جسے واگزار کرنے کے لیے فوج بھیجی گئی مگر وہ ناکام و نامراد بانٹوا واپس آ گئی۔ نواب مہابت خان اوّل کے زمانے میں یوبا اور ویل وادا نواب صاحب کے زیر نگیں تھے۔ وہاں ایک تھانہ قائم کیا گیا اور 1781ء میں یہ دونوں مقامات نواب حامد خان اوّل کے علاقے میں شامل کر لیے گئے۔

نواب صاحب کے دور اقتدار میں سب سے اہم واقعہ پانچ پیپلا کی لڑائی تھی اور ایسی شدید لڑائی جوناگڑھ کی تاریخ میں نہیں لڑی گئی۔ لڑائی کی وجہ یہ تھی کہ پڑوسی ریاستوں کو "زورطلبی" جوناگڑھ کو دینا پڑتا تھا جو انہیں پسند نہیں تھا لہٰذا انہوں نے اس سے نجات کے لیے ایک خفیہ منصوبہ تیار کیا جام نگر کے دیوان میرامان خواص اور گونڈل کے ٹھاکر کی جوناگڑھ کے دیوان امرجی سے ذاتی دشمنی تھی۔ امرجی جوناگڑھ کے وفادار اور قابل اعتماد دیوان تھے۔ جام نگر، گونڈل اور پوربندر نے اتحاد قائم کیا اور 1782ء میں بصدر رندی کے کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ نواب حامد خان اس زمانے میں کم سنی کے باوجود بہت بہادر تھے، بانٹوا اور رن پور کے جاگیرداروں، مانگرول کے شیخ میاں قاضی، کھاڈیہ، بلوچوں، جیت پور کے کاٹھی درباروں اور دیگر لوگوں نواب صاحب کی فوج میں شمولیت اختیار کی، پانچ پیپلا کے مقام پر گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں نواب صاحب کو فتح نصیب ہوئی۔ 1796ء میں کچھ کے دیوان فتح محمد نے جام صاحب کے علاقے پر حملہ کر دیا جنہوں نے نواب حامد خان اوّل کی مدد طلب کی، نواب صاحب نے خود فوج کی کمان کی مگر دونوں فریقین میں صلح ہوگئی۔ ان دنوں بھاونگر کا راجہ بغاوت پر اتر آیا تھا، نواب حامد خان نے اس سے جنگ کر کے فتح حاصل کی اور راجہ نے معافی مانگ کر ایک لاکھ 15 ہزار روپے جرمانہ ادا کیا۔ 1811ء میں نواب حامد خان 45 برس کی عمر میں وفات پا گئے وہ انتہائی ذہین، مستعد اور قابل حکمراں ہونے کے ساتھ مذہبی آدمی بھی تھے۔ رمضان المبارک کے پورے روزے رکھتے تھے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ نواب حامد خان کو چیتا خان مسجد کے قریب آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

نواب محمد بہادر خان بابی (دوم) چوتھے نواب صاحب

1811ء سے 1840ء

نواب صاحب حامد خان اوّل کے انتقال پر ان کے 16 سالہ صاحبزادے بہادر خان دوم نے اقتدار سنبھالا۔ اس وقت جام نگر پر حملے سے واپسی پر راجہ گائیکواڈ نے جوناگڑھ سے آٹھ میل کے فاصلے پر لال واڈ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا اور نواب صاحب بہادر خان دوم پر ان کی گدی نشینی پر نذرانہ طلب کیا، نواب صاحب نے گائیکواڈ سے جنگ کی تیاری شروع کردی، اس دوران نواب صاحب کے دیوان رگھوناتھ جی، گائیکواڈ کے پڑاؤ میں گئے اور انہیں چند گاؤں دینے کا وعدہ کیا جس پر گائیکواڈ وہاں سے چلا گیا لیکن نواب صاحب نے گاؤں دینے سے انکار کر دیا جس پر رگھوناتھ نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور جمعدار عمر مقاسم دیوان بن گئے۔ 1815ء میں عمر مقاسم نے نافرمانی شروع کردی اور نواب صاحب کے خلاف کام کرنے لگے جس پر نواب صاحب نے اپنے قابل اعتماد دوست کرنل بیلان ٹائن سے رابطہ کیا جو بروڈا کے ریذیڈنٹ تھے، انہوں نے کاٹھیاواڑ میں برطانوی فوج کے کمانڈنگ آفیسر کو ساتھ لیا، ان افسران نے عمر قاسم کو دو گاؤں دلوا دیئے اور ڈیڑھ لاکھ کوڑیاں بھی دے دیں جس سے ان میں تصفیہ ہوگیا۔

1820ء میں راجہ گائیکواڈ نے برطانوی حکومت سے کاٹھیاواڑ ریاستوں سے اپنے بقایا جات کی وصول کے سلسلے میں مدد کی درخواست کی اور یہاں سے کاٹھیاوار میں برطانوی راج کا آغاز ہوا جسے ایجنسی کا نام دیا گیا اور اس مقصد کے لئے پولیٹیکل ایجنٹس کی تقرری کی گئی اور کرنل بارن ویل پہلے پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوئے۔

1821ء میں نواب صاحب نے برطانوی حکومت سے کاٹھیاواڑ میں "زورطلبی" وصول کر کے اخراجات کے طور پر ایک چوتھائی رقم منہا کرنے کی درخواست کی۔ 1830ء میں بمبئی کے گورنر نے راجکوٹ کا دورہ کیا۔ نواب صاحب ان سے ملنے وہاں گئے اور باہمی امور پر مذاکرت کئے۔ 1837ء میں نواب صاحب نے ریاست سے ہندوؤں کی ظالمانہ رسم "ستی" کا خاتمہ کرادیا۔ 1840ء میں نواب بہادر خان دوم 45 سال کی عمر میں وفات پا گئے اور انہیں چیتا خان مسجد کے قریب ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

نواب محمد حامد خان بابی (دوم) پانچویں نواب صاحب

1840ء سے 1851ء

نواب بہادر خان کی وفات کے بعد ان کے چار بیٹوں میں گدی کا جھگڑا پیدا ہو گیا لیکن حامد خان دوم چونکہ سب سے بڑے صاحبزادے تھے اور باپ نے اپنی زندگی میں انہیں ولی عہد نامزد کر دیا تھا لہٰذا انہوں نے 1840ء میں گدی سنبھال لی۔ نواب صاحب نے اقتدار سنبھالا تو ان کی عمر 12 سال تھی اور انتظامیہ ان کی والدہ کتیانہ کی دادی بوصاحب کے ہاتھوں میں تھی لیکن اصل اقتدار جھجر سیٹھ بھائیہ اور کتیانہ کے جیب خان شیروانی کے ہاتھوں میں تھا جب کہ ان کے بھائی ماتھو خان بھی اثر رسوخ رکھتے تھے۔

1841ء میں نواب حامد خان دوم کی شادی دھوم دھام سے ماناوادر کے تعلقہ دار کی بیٹی سے انجام پائی اور سات لاکھ روپے کے اخراجات کئے گئے۔ نواب صاحب چونکہ نوعمر تھے لہٰذا انتظامی امور ان کی والدہ کے قابل اعتماد افراد انجام دیتے تھے، ان کے بھائی مہابت خان گدی سے متعلق اپنے دعوے پر مصر رہے کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ وہ ایک بابی ماں سے ہیں۔ انہوں نے رادھن پور کے نواب صاحب کی ایک بیٹی سے شادی کر لی اور رادھن پور چلے گئے جہاں وہ حامد خان دوم کی وفات تک مقیم رہے۔

1851ء میں نواب حامد خان جام نگر میں داول شاہ کے مقبرے کی زیارت کو گئے تو جام نگر کے جام صاحب اور موربی کے ٹھاکر صاحب نے ان کا شاندار استقبال کیا اور خوب مہمان نوازی کی۔ نواب حامد خان دوم گیارہ سال تک جوناگڑھ کے نواب رہے اور 1851ء میں 23 سال کی عمر میں بے اولاد انتقال کر گئے انہیں چیتا خان مسجد سے متصل ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ نواب حامد خان دوم نے ریاست جوناگڑھ کا انتظام عدل و انصاف سے چلایا وہ مقدمات کی سماعت ذاتی طور پر کرتے تھے اور کسی بھی غریب کی فریاد سننے کے لئے شاہی جلوس کو رکوا دیا کرتے تھے، اس زمانے کے ایک معزز اسردار نے درخواست کی کہ وہ غریبوں اور کم حیثیت کے لوگوں کی فریادیں سننے کے لئے شاہی جلوس کو رکوایا نہ کریں جس پر نواب حامد خان دوم نے کہا کہ یہ ایک حکمراں کی بنیادی ذمے داری ہے کہ وہ اپنی غریب رعایا کی فریادیں سننے اور عدل و انصاف سے ان کی شکایات کا ازالہ کرے بصورت دیگر قیامت کے روز اسے اپنی کوتاہیوں اور ناانصافیوں کا جواب دینا پڑے گا، نواب صاحب انتہائی خوبصورت اور خوش لباس آدمی تھے، فارسی، اردو اور گجراتی پر عبور رکھتے تھے، انہیں پتنگ بازی اور نشانہ بازی سے جنون کی حد تک دلچسپی تھی اور ان کا نشانہ بھی سچا تھا۔

نواب سر محمد مہابت خان بابی (دوم) چھٹے نواب صاحب

1851ء سے 1882ء

جب نواب حامد کا انتقال ہوا تو مہابت خان رادھن پور میں تھے، انہوں نے خواب دیکھا کہ ان کے بھائی نواب حامد خان انتقال کر گئے ہیں، اس خواب کا تذکرہ انہوں نے اپنے رفیق لال بھائی سے کیا، چونکہ حامد خان کی کوئی اولاد نہیں تھی لہٰذا ان کی علالت کے دوران کاٹھیاواڑ کے پولیٹیکل ایجنٹ کرنل لینگ سے درخواست کی گئی کہ وہ جوناگڑھ آ جائے حامد خان کے انتقال پر مہابت خان کو جوناگڑھ بلوا کے گدی ان کے سپرد کی گئی۔ اس وقت مہابت خان کی عمر 14 سال تھی لہٰذا بانٹوا کے تعلقہ دار محمد خان، امرجی دیوان، حبیب خان شیروانی، جمعدار صالح ہندی پر مشتمل ایجنسی کونسل تشکیل دی گئی جب کہ گھریلو امور نواب صاحب کی والدہ سنبھالتی تھیں۔ نواب صاحب نے اپنے دیرینہ خادم شیخ بہاؤالدین کو ذاتی رسالہ کا چیف مقرر کر دیا۔ نواب مہابت خان دوم تعلیم کو فروغ دینے کے زبردست حامی تھے، 1852ء میں انہوں نے ایک گجراتی اسکول قائم کرایا۔

1853ء میں انہوں نے شیخ بہاؤالدین کی بہن لاڈلی بیگم صاحبہ سے شادی کی جب کہ نواب بننے سے قبل وہ کمال بخت صاحبہ سے شادی کر چکے تھے جو رادھن پور کے نواب کی صاحبزادی تھیں۔ نواب مہابت خان نے 1854ء میں ایک اردو اسکول اور ایک سنسکرت پاٹھ شالہ کی بنیاد بھی رکھی۔ 1856ء میں لاڈلی بیگم کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بہادر خان رکھا گیا اور اسے ولی عہد مقرر کیا گیا۔ 1858ء میں ان کی ایک بیگم نور بی بی صاحبہ کے بطن سے دوسرا بیٹا پیدا ہوا جس کا نام رسول خان رکھا گیا۔ اس سال ایجنسی کونسل ختم کر کے تمام اختیارات نواب مہابت کو تفویض کر دیئے گئے اور استجی کو دوبارہ دیوان مقرر کر دیا گیا۔ نواب مہابت خان دوم تعلیم نسواں کے بھی حامی تھے لہٰذا انہوں نے جوناگڑھ میں لاڈلی بیگم صاحبہ کے نام سے لڑکیوں کا ایک اسکول قائم کیا۔ انہوں نے عدالتی نظام کو بھی ریاست میں فروغ دیا اور انگریزی عدالتوں کے طرز پر "حضور عدالت" اور "صدر عدالت" قائم کی گئیں۔ 1866ء میں رجسٹریشن اور میونسپل محکمے قائم کئے گئے۔ 1866ء میں انہوں نے رن پور کے تعلقہ دار کی بیٹی سردار بخت سے شادی کی۔ 1867ء میں انکی بیگم چھوٹی بی بی صاحبہ کے بطن سے تیسرے صاحبزادے عادل خان نے جنم لیا۔ انہوں نے ولی عہد بہادر خان کے نام سے بہادر خانجی لائبریری بھی قائم کی

اور ریاست کا رسالہ "دستور المال" شائع کرنے کے لئے ایک چھاپہ خانہ بھی قائم کیا گیا۔نواب سر مہابت خان دوم 1882ء میں 31 سال حکمرانی کے بعد انتقال کر گئے۔

نواب سر محمد بہادر خان بابی (سوم) ساتویں نواب صاحب

1882ء سے 1892ء

نواب مہابت خان دوم کے انتقال کے بعد ان کے 26 سالہ صاحبزادے بہادر خان جوناگڑھ کے ساتویں نواب مقرر ہوئے۔ 1883ء میں دیوان صالح ہندی نے استعفٰی دے دیا اور ان کی جگہ ڈیسائی پرماداس، وہاری داس دیوان مقرر کئے گئے اس سال بمبئی کے انگریز گورنر نے جوناگڑھ کا دورہ کر کے مہابت مدرسے کی بنیاد رکھی اور نواب صاحب نے بمبئی کی آرٹ اور صنعتی نمائش کے لئے ایک لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ 1885ء میں سینٹرل جیل تعمیر کی گئی اور نو عمر جاگیرداروں کے معاملات کی دیکھ بھال اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لئے "وارڈ دفتر" قائم کیا گیا۔ 1887ء میں ملکہ برطانیہ کی سلور جوبلی منائی گئی قیدیوں کو آزاد کیا گیا کاشت کاروں کے واجبات معاف کر دیئے گئے اور طالب علموں کو وظائف دیئے گئے اس سال انڈین آرمی کے کمانڈر انچیف، ڈیوک آف کناٹ نے راجکوٹ کا دورہ کیا، نواب صاحب ان سے ملنے گئے۔اس سال کے اختتام پر بمبئی کے گورنر لارڈ رائے نے جوناگڑھ کا دورہ کیا اور جیتل سر سے ویراول تک تعمیر کی گئی نئی ریلوے لائن کا افتتاح کیا اور وہاں ایک گیٹ تعمیر کروایا جس پر ایک بڑا سا کلاک بھی لگا دیا گیا۔جو اب اسٹیشن گیٹ یا کلاک ٹاور کے نام سے جانا جاتا ہے۔

نواب سر محمد بہادر خان سوم کے دور میں تعلیم کے فروغ کے لئے بہت کام کیا گیا، انہوں نے پسماندہ مسلمانوں کی تعلیم کے لئے 80 ہزار روپے کے خرچ سے اپنے مرحوم والد نواب سر مہابت خان دوم کے نام پر مہابت مدرسہ قائم کرایا جب کہ ان کی یاد میں بمبئی یونیورسٹی میں 30 ہزار روپے سے مہابت فیلوشپ قائم کیا گیا جو مسلمان گریجویٹ طلباء کے لئے مخصوص تھا، یہ تجویز 1887ء میں رکھی گئی اور بالآخر 1889ء میں گورنر اور یونیورسٹی نے منظور کر لی۔نواب سر محمد بہادر خان سوم بڑے علم دوست انسان تھے، انہوں نے ریاست میں طلباء کے لئے میٹرک تک تعلیم مفت دینے کا انتظام کیا، ریاست جوناگڑھ کی طرف سے ہندوستان کی مختلف درسگاہوں کو خطیر رقومات کے عطیات دیئے گئے تاکہ ریاست سے باہر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے جانے والے طلباء کو ان تعلیم گاہوں میں با آسانی داخلہ مل سکے۔نواب سر محمد بہادر خان سوم اپنی رعایا کا بہت خیال رکھتے تھے خصوصاً غریبوں کا آپ کے دل میں بہت درد تھا، وہ مسلمانوں کو اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا چاہتے تھے اور اس کیلئے انہوں نے موثر اقدامات کئے۔ 1890ء میں نواب سر محمد بہادر خان سوم انتقال کر گئے۔

نواب سر محمد رسول خان بابی (آٹھویں نواب صاحب)

1892ء سے 1911ء

نواب سر محمد بہادر خان سوم کے انتقال کے بعد 1892ء میں 34 برس کی عمر میں تخت نشین ہونے والے آٹھویں نواب سر محمد رسول خان بابی بہادر تھے، جس طرح فیروز شاہ تغلق تخت سے انکار کر کے حج کا قصد رکھتا تھا، نواب سر محمد رسول خان نے بھی انکار کیا مگر آپکو مجبور کیا گیا۔ برطانوی حکومت نے محمد رسول خان کو نواب قرار دے کر کاٹھیاواڑ کے پولیٹیکل ایجنٹ سر چارلس اولیونٹ کو جوناگڑھ بھیجا۔نواب صاحب نے 1893ء میں شمالی ہند کا تفصیلی دورہ کیا، اس سال محکمہ تعلیم جوایجنسی کے حوالے تھا، ریاست کے سپرد کر دیا گیا۔دیسی زبان کی مختلف جماعتوں کے لئے نصاب تجویز کرنے کی غرض سے ویراول کے مقام پر ایک تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں کاٹھیاواڑ کی تمام ریاستوں کے وفود شریک ہوئے نواب صاحب کے حکم پر وزیر شیخ بہاؤالدین نے کانفرنس میں شرکت کی۔نواب صاحب نے ان کے نام سے ڈیڑھ لاکھ روپے کا عطیہ دے کر بہاؤالدین کالج قائم کرایا۔

نواب سر محمد رسول خان نیک سیرت اور درویش صفت آدمی تھے، مسند نشینی کے بعد بھی آپکے اخلاق حسنہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، رعایا کی فلاح و بہبود کا آپکو بہت خیال رہتا تھا، آپ نماز کے بعد ان کی خوشحالی کے لئے دعا کرتے تھے، آپ جوناگڑھ میں طاعون پھیلنے پر بھی رعایا کے خیال سے شہر سے باہر نہیں گئے کیوں کہ آپکو یقین تھا کہ موت کسی بھی جگہ چھوڑنے والی نہیں ایسے موقع پر آپ کے ہاں بخاری شریف پڑھی جاتی، وہ ہر جمعرات کی شام بادام والی کچہری میں دو گھنٹے تک عام دربار کرتے تھے، اس موقع پر ریاست کے غریب لوگ بھی آپ سے گفتگو کر سکتے تھے، نواب صاحب نے وفات سے پہلے پنشن کا قاعدہ جاری کیا۔انہیں عمدہ کاٹھیاواڑی گھوڑے پالنے کا بہت شوق تھا، ان کے

عہد میں رفاہ عام کے بہت سے کام ہوئے۔ بہاؤالدین کالج اور اس کا ہاسٹل، رسول خانجی ہسپتال، بہادر خانجی لائبریری اور میوزیم، رسول منزل، رسول خانجی واٹر ورکس اور دیگر عمارتیں قائم کی گئیں، کم سن نواب مہابت خانجی نواب رسول خان کے اکلوتے بیٹے تھے، ان کی والدہ عائشہ بی بی، ماں صاحب کے نام سے مشہور تھیں۔ 22 جنوری 1911ء کو نواب صاحب سرمحمد رسول خان بابی بہادر 55 برس کی عمر میں انتقال کر گئے اور انہیں ان کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

نواب سرمحمد مہابت خانجی بابی (سوم) نویں نواب صاحب

1911ء سے 1960ء

نواب سرمحمد رسول خانجی کا انتقال 22 جنوری 1911ء کو ہوا، اس وقت ولی عہد محمد مہابت خانجی کی عمر صرف گیارہ برس تھی لہٰذا 22 جنوری 1911ء سے 30 مارچ 1920ء تک ریاست جوناگڑھ برطانوی انتظام میں رہی۔ 31 مارچ 1920ء کو نواب سرمحمد مہابت خان سوم نے اقتدار سنبھال لیا۔ نواب صاحب کے تخت نشین ہونے کی خوشی میں 30 مارچ سے یکم اپریل تک ریاست میں عام تعطیل رہی، نواب مہابت عجیب آدمی تھے۔ ریاست کا تمام انتظام اور کاروبار دیوان کے حوالے تھا، نواب صاحب کبھی کسی معاملے میں دخل نہیں دیتے تھے۔ فطرتاً وہ الگ تھلگ رہنا پسند کرتے تھے۔ ان کے دور میں تعلیم کے فروغ کے بہت زیادہ کام ہوئے اور انہی کے دور میں ریاست جوناگڑھ کا سقوط ہوا، ان کا سب سے اہم کارنامہ ریاست جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق تھا، انہوں نے تخت نشین ہوتے ہی رعایا کے فلاح و بہبود کے لئے کئی احکامات جاری کئے خصوصاً ریاست کے کاشت کاروں کے لئے انہوں نے بہت سی رعایتوں کا اعلان کیا۔ انہوں نے جوناگڑھ میں منشیات کے انسداد کے لئے بھی اہم اقدامات کئے، انہوں نے شیخ محمد بھائی جوان کے ملٹری سیکرٹری بنایا اور تھوڑے ہی عرصے بعد 1922ء میں وہ ریاست کے دیوان مقرر کئے گئے۔

نواب سرمہابت خانجی ایک خودمختار حاکم ہونے کے باوجود ایک آئینی سربراہ کی حیثیت سے کام کرتے تھے، ریاست میں وزارتی طرز حکومت رائج تھا، اس وزارت کو اسٹیٹ کونسل اور اس کے ارکان کو ممبر کے نام سے پکارا جاتا تھا، اس کا سربراہ دیوان یعنی وزیراعظم ہوتا تھا، ہر وزیر کے پاس کچھ مقررہ دفاتر ہوتے تھے، ان کی تقرری بغیر کسی مذہبی و قومی تعصب کے صرف قابلیت کی بنیاد پر کی جاتی تھی۔ نواب سرمہابت خانجی کی شادی بیگم صاحبہ بھوپال کے بھتیجے سعادت محمد خان کی دختر منور جہاں بیگم کے ساتھ ہوئی اور 23 جون 1922 کو منور جہاں کے بطن سے ولی عہد شہزادہ دلاور خانجی نے جنم لیا۔ سقوط جوناگڑھ کے بعد نواب صاحب کراچی آ گئے۔ جوناگڑھ اسٹیٹ کونسل نے نومبر 1947ء کو ریاست جوناگڑھ کو بھارت کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا تھا جس کے 13 سال بعد اس تاریخ یعنی 7 نومبر 1960ء کو نواب مہابت خانجی کا 60 کی سال عمر میں انتقال ہو گیا اور انہیں مکمل سرکاری اعزاز کے ساتھ کراچی میں طارق روڈ کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

شجرہ نسب خاندان بابی_ نواب صاحبان جُونا گڑھ

محمد بہادر خان (شیر خان) بابی پہلے نواب صاحب

صلابت خان — رستم خان — سردار محمد خان — مہابت خان (دوسرے نواب)، حامد خان (تیسرا نواب)، بہادر خان (چوتھے نواب)

شیر خان — مہابت خان (چھٹے نواب) — حامد خان (پانچویں نواب)

عادل خان — محمد رسول خان (آٹھویں نواب) — بہادر خان (ساتویں نواب)

بہادر خان — مہابت خان خانجی (نویں نواب) — شیر زمان خان

ہمت خانجی — سخاوت خانجی — محمد یوسف خانجی — محمد صادق خانجی — غلام محمد خانجی — شہر یار خانجی — سعید خانجی — محمد دلاور خانجی (دسویں نواب)

محمد ظہیر خانجی — محمد عالمگیر خانجی — محمد جہانگیر خانجی (گیارہویں نواب)

علی مرتضیٰ خانجی (ولی عہد)

آغاز داستان

ریاست جوناگڑھ کا شمار ہندوستان کی چند بڑی اسلامی ریاستوں میں ہوتا تھا ہندوستان کی 18 اسلامی ریاستیں تھیں جنہیں سلامی دی جاتی تھی ۔ان میں رتبے کے لحاظ سے جوناگڑھ کا پانچواں اور آبادی کے لحاظ سے چوتھا درجہ تھا جوناگڑھ کاٹھیاواڑ کی سب سے بڑی اور عظیم الشان ریاست تھی اور کاٹھیاواڑ برصغیر کا وہ عظیم حصہ ہے جس نے دو اہم شخصیتیں پیدا کی ہیں محمد علی جناح اور گاندھی دونوں اس علاقے کے رہنے والے تھے۔

جوناگڑھ کاٹھیاواڑ کی صدر ریاست مانی جاتی تھی جس کا کل رقبہ 3684 مربع میل تھا۔آبادی میں اکثریت ہندوؤں، مسلمانوں اور جین مت کے پیروکاروں کی تھی ۔تمام کاٹھیاواڑ کی آب وہوا عام طور پر عمدہ اور زمین زرخیز ہے۔ جوار، باجرا، چنا، کپاس اور گنا کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ جوناگڑھ میں میدان بھی تھے اور پہاڑ بھی ۔ جنگلات اور ایک طویل سمندری ساحل بھی ۔ وہاں کے جنگلات عمارتی لکڑی سے بھرے ہوئے تھے۔

اس کی بندرگاہوں سے پوری دنیا سے تجارت ہوتی تھی ریاست کی آمدنی بے پناہ تھی ۔نویں نواب مہابت خانجی نے اسے بے پناہ ترقی دی تھی اور ان کے زمانے میں سالانہ آمدنی ایک کروڑ سے تجاوز کر گئی تھی ۔اس زمانے کے ایک کروڑ روپے آج کے کئی ارب روپے بنتے ہیں ۔

کسی زمانے میں جوناگڑھ پر چوڑاسمار ہندو راجپوتوں کی حکومت تھی ۔ 1442ء میں احمد آباد کے والی محمود بیگڑا نے اسے فتح کیا۔ کچھ عرصے بعد اس کا نام تبدیل کر کے مصطفیٰ آباد رکھا گیا مگر یہ نام لوگوں کی زبان پر چڑھ نہ سکا اور لوگ اسے جوناگڑھ ہی کہتے رہے۔ سلطان محمود بیگڑا کو جوناگڑھ سے گہری دلچسپی تھی اس لئے کافی عرصے تک اس نے اپنا قیام اس شہر میں رکھا۔ احمد آباد اور اسکے گردونواح کے قصبات سے صاحبان علم وفضل کو جوناگڑھ میں آباد ہونے کی ترغیب دی اور ان کو اپنے منصب اور کمال علم وفن کے موافق جاگیریں عطا کیں ۔سلطان محمود بیگڑا نے ایک عالی شان مسجد بھی تعمیر کروائی جو اپر کوٹ " قلعہ بالا " میں اب تک موجود ہے۔شہر میں دینی اور دنیاوی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا اور ملکی ثقافت کو فروغ دینے کے لئے بے شمار سرمایہ صرف کیا۔ سلطان کی اس توجہ کے باعث جوناگڑھ کی آبادی میں خاصا اضافہ ہوا۔ جوناگڑھ کی فتح کے بعد کاٹھیاواڑ کی دوسری ریاستوں میں بھی محمود بیگڑا کی حاکمیت تسلیم کر لی گئی اور اسے خراج دینے لگی ۔ یہ رقومات جوناگڑھ میں وصول کی جاتی تھیں ۔اس طرح سلطانی دور حکومت میں بھی جوناگڑھ مہاراشٹر کا دارالحکومت بن گیا۔محمود بیگڑا نے ولی عہد خلیل کو مہاراشٹر کا پہلا صوبیدار (گورنر) مقرر کیا جس نے بعد میں سلطان مظفر شاہ اول کے نام سے گجرات میں حکمرانی کی تھی ۔

ریاست جوناگڑھ تقریباً سوا سو سال تک سلطانی حکومت کے ماتحت رہی اس کے بعد مغل شہنشاہ اکبر کی فوج نے گجرات اور کاٹھیاواڑ پر چڑھائی کی ۔ گجرات کے سلطان مظفر شاہ سوئم نے ان کا دلیرانہ مقابلہ کیا لیکن آخر کار اسے شکست ہوئی اور اسے قید کر لیا گیا ۔ 1593ء میں مظفر شاہ سوئم نے خودکشی کر لی ،اس کے ساتھ سلطانی دور حکومت اختتام پذیر ہوا اور ریاست جوناگڑھ کے علاقے میں مغلیہ دور حکومت کا آغاز ہو گیا ۔سلاطین کی طرح مغل فرمانرواؤں نے بھی بدستور کاٹھیاواڑ میں اپنا دارالحکومت جوناگڑھ ہی کو رکھا اور سوراشٹر کی تمام ریاستوں کا خراج پہلے کی طرح جوناگڑھ میں ہی وصول کیا جانے لگا۔

جلال الدین اکبر کے وزیر محاصل راجا ٹوڈمل نے محصول نظم ونسق کے لئے سوراشٹر کو چار جغرافیائی حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔اس میں سے وہ علاقہ جس میں جوناگڑھ واقع تھا وہ سورٹھ کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ جو سوراشٹر کی بگڑی ہوئی فارسی شکل تھی ۔ خاندان مغلیہ کے عہد حکومت میں گجرات کے انتظامات کے لئے ایک صوبیدار مقرر کیا جاتا تھا۔اس صوبیدار کے ماتحت ملک سورٹھ کے لئے ایک فوجدار مقرر کیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ اکبر اسکے بعد جہانگیر، شاہ جہاں اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے تک بدستور جاری رہا۔عہد عالمگیر کے آخری زمانے تک کاٹھیاواڑ میں سلطنت مغلیہ کا بندوبست اور تمام انتظامات قابل تعریف رہے۔کوئی بھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جسے کسی قسم کی اہمیت دی جائے۔

1707ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت دن بہ دن زوال پذیر ہوتی چلی گئی۔شاہی خاندان میں باہمی خانہ جنگیاں شروع ہو گئی تھیں ۔اس وجہ سے وہ دور دراز علاقوں کی خبر گیری نہ کر سکے ۔دوسری طرف مرہٹوں کا زور بھی بڑھتا گیا اور انہوں نے لوٹ مار کی غرض سے مختلف مقامات پر حملے شروع کر دیئے اسے نازک دور میں حالات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے زمینداروں نے بھی بغاوت شروع کر دی اور وہ علاقے جو ان کے زیر اثر تھے ان پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔سورٹھ میں فوجدار اور نائب فوجدار کے تقرر کا سلسلہ بدستور چلتا رہا لیکن وہ آخری دور میں بہت کمزور اور بے اثر ہو چکے تھے۔ 1741ء میں شیر خان بابی کو سورٹھ کا نائب فوجدار مقرر کیا گیا۔لیکن وہ تھوڑے ہی عرصے میں ترقی کر کے فوجدار کے عہدے پر فائز ہو گیا تھا۔اس نے اپنی دلیری اور شجاعت کے زور سے مرہٹوں اور کاٹھیوں کے حملوں کو روک دیا تھا اور اپنے علاقے میں امن وامان قائم کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ جب خاندان مغلیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو شیر خان بابی بہادر نے خودمختاری اختیار کی اور اپنی آزاد حکومت کا جھنڈا بلند کیا۔اس طرح ملک سورٹھ میں خاندان مغلیہ کی ڈیڑھ سو سالہ حکومت کے بعد بابی خاندان کی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

بابی خاندان کا عروج

1748ء میں شیر خان بابی نے بہادر خان کا نام اختیار کر کے جوناگڑھ میں بابی خاندان کی حکومت کی ابتدا کی۔ اس کی زندگی کے باقی دس سال اپنی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کرنے کی خاطر مسلسل جنگ وجدل میں گزرے۔ بہادر خان عرف شیر خان کا انتقال 1758ء میں ہوا۔ اس کا بیٹا مہابت خان اول تخت نشین کامیابی کے ساتھ ہوا، اس نے 26 سال تک نہایت کامیابی سے حکومت کی۔ 1784ء میں اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے حامد خان نے 13 سال کی عمر میں حکومت سنبھالی۔

حامد خان کے دور حکومت میں بڑودہ کا راجا گائیکواڈ گجرات کے علاوہ کاٹھیاواڑ کے بھی کچھ علاقوں پر قابض تھا۔ حامد خان کے دور سے ہی جوناگڑھ اور گائیکواڈ کے درمیان جھڑپیں شروع ہو گئی تھیں۔ 1806ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج مہاراجا فتح سنگھ راؤ کے ساتھ کاٹھیاواڑ میں داخل ہوئی۔ اس کے چند سال بعد ہی خصوصاً کرنل واکر کی کوششوں سے کاٹھیاواڑ پولیٹیکل سیٹلمنٹ کے نام سے ایک معاہدہ ہو گیا۔ اس معاہدے کی رو سے جوناگڑھ کو کاٹھیاواڑ کی اہم ترین ریاست کے طور پر تسلیم کیا گیا اور اسے دوسری ریاستوں سے زورطلبی وصول کرنے کا حق دیا گیا۔ ساتھ ہی ریاست جوناگڑھ کی طرف سے انگریزوں اور گائیکواڈ کو دی جانے والی سالانہ رقومات طے کی گئیں۔ نواب حامد خان کی وفات کے بعد 1811ء میں بہادر خان دوم تخت نشین ہوا۔ بہادر خان دوم نے 1840ء تک حکومت کی اس کے بعد تخت نشین ہونے والے نواب حامد خان دوم 1851ء میں صرف 23 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ اس کے بعد اس کا بھائی مہابت خان دوم صرف 14 برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ مہابت خان دوم کے 31 سالہ دور حکومت میں کابینہ کا موجودہ طریقہ عمل میں آیا۔ وزرا مقرر کئے گئے اور ہر وزیر کے سپرد علیحدہ علیحدہ شعبے کئے گئے۔ انہوں نے جوناگڑھ شہر میں بہت سے ترقیاتی کام کرائے اور شہر کو چوڑی سڑکوں، باغ باغیچے اور عمدہ عمارتوں سے آراستہ کر دیا۔ نواب مہابت خان دوم کو حکومت برطانیہ کی طرف سے "سر" کا خطاب بھی عطا کیا گیا جو ان کے بعد کے نوابین کو بھی ملتا رہا۔ 1882ء میں مہابت خان دوم کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے بہادر خانجی سوئم نے مسند اقتدار سنبھالا۔ وہ بڑے علم دوست انسان تھے۔ انہوں نے ریاست میں طلباء کے لئے میٹرک تک کی تعلیم مفت دینے کا انتظام کیا۔ ریاست جوناگڑھ کی طرف سے ہندوستان کی مختلف تعلیم گاہوں کو بڑی رقومات کے عطیات دیئے گئے تاکہ ریاست سے باہر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانے والے طلباء کو ان تعلیم گاہوں میں بہ آسانی داخلہ مل سکے۔ 1887ء ریاست جوناگڑھ میں ریلوے کی آمد ہوئی۔

نواب محمد رسول خان کا احوال

بہادر خان سوئم کے بعد 1892ء میں 34 برس کی عمر میں تخت نشین ہونے والے آٹھویں نواب سر محمد رسول خان بابی بہادر تھے۔ جسطرح فیروز شاہ تغلق تخت سے انکار کر کے حج کا قصد رکھتا تھا، نواب محمد رسول خان نے بھی انکار کیا مگر آپ کو مجبور کیا گیا۔ برطانوی حکومت نے محمد رسول خان کو نواب قرار دے کر کاٹھیاواڑ کے پولیٹیکل ایجنٹ سر چالس اولیونٹ کو جوناگڑھ بھیجا۔ جنہوں نے 20 جون کو دربار منعقد کر کے محمد رسول خان بابی کو برطانوی حکومت کی جانب سے اعلانیہ نواب قبول کر کے اس کا اظہار کیا۔

نواب صاحب نے 1893ء میں شمالی ہند کا تفصیلی دورہ کیا، اس سال محکمہ تعلیم جو ایجنسی کے حوالے تھا، ریاست کے سپرد کر دیا گیا اس وقت سے ریاست نے اس محکمے پر ایک اعلیٰ افسر مقرر کیا اور اسے ایسی ترقی دی کہ وہ کاٹھیاواڑ کی تمام ریاستوں پر سبقت لے گیا۔ جیتل سرے سے راج کوٹ تک جو سلسلہ ریلوے کا 1891ء سے تعمیر ہو رہا تھا اور جس میں ریاست جوناگڑھ کا حصہ روپے میں چھ آنے تھا۔ وہ اس سال تکمیل کو پہنچا۔ اس کام میں ریاست کے تقریباً چھ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ چند ماہ بعد بمبئی کے گورنر لارڈ ہیرس نے جوناگڑھ کا دورہ کیا۔ وہ گیر کے جنگل میں تشریف لے گئے اور ایک بڑا ببر شیر شکار کیا۔

نواب محمد رسول خان بابی بہادر کے دور میں سومنات پٹن میں چند مذہبی مقامات کی بابت ہندوؤں اور مسلمانوں میں مدت سے جھگڑا چلا آ رہا تھا۔ اس جھگڑا کو نمٹانے کے لئے ریاست جوناگڑھ نے ایک کمیشن مقرر کیا تاکہ کسی فریق کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ مقررہ مدت میں کمیشن نے پوری تحقیق کے بعد 2 مئی 1893ء کو اپنا فیصلہ ریاست کے سپرد کر دیا چونکہ یہ فیصلہ زیادہ تر مسلمانوں کے حق میں تھا اس لئے نائب دیوان پرشوتم رائے اس فیصلے پر عمل درآمد میں تاخیر کرتا رہا حتیٰ کے محرم کا مہینہ آ گیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کشیدگی کے باعث پولیس کا انتظام کیا گیا۔ ایک ہندو سپرنٹنڈنٹ مع کافی آدمیوں کے وہاں بھیجا گیا تھا اگر یہ شخص ہوشیاری سے کام کرتا تو فساد کا انسداد ممکن تھا لیکن اس نے اپنی حماقت سے ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے باہمی مخالفت کی آگ ور زیادہ پھیل گئی۔ مسلمانوں نے ان مقامات سے جو کمیشن نے اپنے فیصلے میں تجویز کئے تھے تعزیوں کو نکالنا چاہا تو

ہندوؤں کی طرف سے مخالفت کی ابتدا ہوئی اور انہوں نے پتھر جمع کر کے تعزیوں اور تعزیہ داروں پر برسانے شروع کئے ۔ چند مسلمان اس صورت حال کو برداشت نہ کر سکے اور جوش میں آ گئے ۔ آخر ہندوؤں اور مسلمانوں میں تصادم ہوا ۔ کئی افراد ہلاک اور زخمی ہوئے ۔ اس فساد کے ختم ہونے کے بعد 92 مسلمان ملزم قرار پا کے پکڑے گئے ۔

ریاست کے دولت منداور بااثر ہندوؤں نے اپنے بھائیوں کی خفیہ مدد کی اور ایجنسی میں شکایات پیش کی گئیں کہ ہمیں امید نہیں کہ ریاست اس مقدمے کا فیصلہ انصاف سے کرے گی ۔ اس لئے فیصلہ ایجنسی کی معرفت ہونا چاہئے ۔ ایجنسی نے بھی اسے ایک مذہبی معاملہ سمجھ کر ریاست سے چاہا کہ اس مقدمے کا فیصلہ کرنے کی اسے اجازت دے دے لیکن ریاست نے اپنا قانونی حق ایجنسی کی طرف منتقل کرنا مناسب نہ سمجھا اور ایجنسی کو لکھ بھیجا کہ ہم ایسا انتظام کریں گے جس میں کسی فریق کو شکایت کا موقع نہ رہے گا ۔

مسلمانوں کے پاس جوناگڑھ اور بمبئی کے مسلمانوں کی امداد سے کافی روپیہ جمع ہو گیا تھا ۔ ابتدائی تحقیقات کے بعد ملزمان اس خاص سیشن کورٹ کے سپرد کر دیئے گئے جو اس مقدمے کیلئے قائم کی گئی تھی ۔ چونکہ ریاست کا منشا تھا کہ اس مقدمے میں پورا پورا انصاف ہو اور کسی فریق کو شکایت کا موقع باقی نہ رہے اس لئے اس اعلیٰ عدالت میں قابل آدمی مقرر کئے گئے ۔ غرض یہ کہ مقدمے کی کاروائی ختم ہوئی اور 92 میں سے صرف 18 مسلمان خلاف قانون اجتماع کے مجرم قرار کر دیئے گئے اور انہیں ایک سے پانچ برس تک قید کی سزا دی گئی ۔ اس مقدمے میں ریاست جوناگڑھ کے دو لاکھ دس ہزار روپے خرچ ہوئے ۔

دیسی زبان کی مختلف جماعتوں کے لئے انصاف تجویز کرنے کی غرض سے ویراول کے مقام پر ایک تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں کاٹھیاواڑ کی تمام ریاستوں کے وفود شریک ہوئے ۔ نواب رسول خان کے وزیر شیخ محمد بہاؤالدین کی خدمات تعلیمی میدان میں گراں قدر تھیں ۔ نواب صاحب کے حکم پر انہوں نے کانفرنس میں شرکت کی اور ریاست کی طرف سے پانچ ہزار روپے کانفرنس کے فنڈ میں عطا کئے چونکہ وزیر صاحب کی سخاوت، فیاضی، ہر دلعزیزی سارے علاقے میں مسلم تھی ۔ ان کے نیک کاموں کا شہرہ ہندستان بھر میں ہو چکا تھا ۔ ان کے دوست اور قدردان ان کی یادگار قائم کرنا چاہتے تھے ۔ ان کے دوستوں نے جن میں بمبئی تک کے ہندو اور مسلمان اور کاٹھیاواڑ کے راجا بھی شامل تھے وزیر صاحب کی یادگار قائم کرنے کے لئے ایک لاکھ روپے جمع کیے ۔ نواب رسول خان نے اس فنڈ میں ڈیڑھ لاکھ روپے کا اضافہ کر کے کالج کیلئے ایک شاندار عمارت تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اس کا نام بہاؤالدین کالج رکھا ۔ نواب محمد رسول خان نے 1899ء میں عائشہ بی بی سے تیسری شادی کی اور ان کے بطن سے نواب صاحب کے دوسرے فرزند محمد مہابت خان پیدا ہوئے ۔ 22 جنوری 1911ء کو نواب سر محمد رسول خان بابی بہادر 55 برس کی عمر میں انتقال کر گئے ان کے بعد ان کے صاحبزادے محمد مہابت خان جوناگڑھ کے نویں نواب مقرر ہوئے اور یہ دور جوناگڑھ کی تاریخ کا اہم ترین دور تھا جس میں جوناگڑھ کا سقوط بھی ہوا ۔ نواب مہابت خانجی سوئم نے ابتدائی تعلیم ولی عہد شیر زماں خان کی صحبت میں جوناگڑھ میں حاصل کی ۔ نواب رسول خان کو اس بات پر یقین واثق تھا کہ تعلیم ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جو انسانی زندگی کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے لہذا انہوں نے اپنے فرزند کی تعلیم پر پوری توجہ دی اور اس اہم کام کے لیے ماموراتالیق مقرر کئے ۔ یہ مقدر کی بات ہے کہ موت کے بے رحم ہاتھوں نے ولی عہد شیر زماں کو چھین لیا اور مہابت خان اپنے بڑے بھائی شیر زماں کے مشفقانہ رفاقت سے محروم ہو گئے ۔

نواب رسول خانجی بروقت نے محسوس کیا کہ چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی کی جدائی متاثر کرے گی ۔ تعلیم پر بھی برا اثر پڑ سکتا ہے اس لئے مناسب سمجھا کہ کسی ہم عمر لڑکے کو شہزادے مہابت خان کا مصاحب بنا دیا جائے تا کہ تعلیم وتربیت میں ایک دوسرے کی رفاقت کریں ۔ اس خیال کے پیش نظر شیخ محمد بھائی کو ان کا مصاحب بنایا گیا ۔ مہابت خانجی کی پیدائش کے کچھ عرصے بعد ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن نے ریاست جوناگڑھ کا دورہ کیا ۔ 3 نومبر کو ساڑھے ایک بجے اسپیشل ٹرین مہابت منزل کے عقب میں ایک پلٹ فارم پر آئی ۔ نواب رسول خان اپنے دیوان (وزیر اعظم) اور دیگر عمائدین کے ساتھ وہاں استقبال کے لئے موجود تھے ۔ لارڈ کرزن اور ان کی اہلیہ کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا ۔ اس موقع پر 31 توپیں داغی گئیں گارڈ آف آنر نے سلامی دی اور بینڈ باجے سریلی آوازوں میں بجنے لگے ۔ ایک قطار کی صورت میں ہاتھی کھڑے تھے جو کارچوبی، زربفتی، زیورات اور طلائی عماریوں سے مزین تھے ۔ ایک طرف دو گینڈے کھڑے تھے جن پر زریں جھولیں تھیں اور دو آدمی ان پر سوار تھے ۔ وائسرائے لارڈ کرزن نے بہاؤالدین کالج کا افتتاح کیا ۔ یکم جنوری 1903ء میں نواب صاحب رسول خان اپنے امراء کے ساتھ اسپیشل ٹرین میں ایڈورڈ ہفتم کی تاج پوشی کے جشن میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لے گئے ۔ واپسی پر انہوں نے خواجہ معین الدین چشتی اور حضرات میراں شاہ کے مزارات پر فاتحہ خوانی کی ۔ اجمیر اور اونچا اسٹیشنوں پر اسپیشل ٹرین چند گھنٹوں کے لئے ٹھہرائی گئی تھی ۔ اس سال 23 مارچ کو ایک انگریز خاتون مسز این جوناگڑھ تشریف لائیں اور دربار ہال میں اسلام کی خوبیوں پر ایک لیکچر دیا ۔

1904ء میں نواب صاحب رسول خان نے تجارتی مال اور جواہرات کے ریاستی ٹیکسوں میں معقول تخفیف منظور فرمائی ۔ جو مال ویراول سے جیتل سر ہو کے بیرون ریاست جاتا تھا، اس کے محصول میں کمی کر دی ۔ شراب نوشی کے انسداد کے لئے پہلے بھی وقتاً فوقتاً مناسب احکام صادر ہوتے رہتے تھے لیکن اس کی تعمیل ایسی نہیں ہوئی تھی جیسی ہونی چاہئے تھی ۔ اس سال سخت احکام نافذ کئے گئے اور ریاست اس نجاست سے پاک ہو گئی ۔ اگست ستمبر اور اکتوبر تین ماہ دارالصدر جوناگڑھ میں طاعون کا موذی مرض پھیل گیا تھا جس میں سیکڑوں افراد جاں بحق ہوئے ۔ دیوان صاحب اور دیگر امراء نے نواب صاحب کو مشورہ دیا کہ طاعون سے بچنے کے لئے ریاست کو چھوڑ دیں اور کسی دور دراز کے تفریحی

مقام پر چلے جائیں مگر نواب رسول خان ہمت، استقلال اور ثابت قدمی سے شہر میں ہی مقیم رہے تا کہ رعایا میں خوف وہراس، گھبراہٹ اور بے چینی نہ پھیل جائے۔ اس سال سے ریاست کی سالانہ انتظامی رپورٹ انگریزی میں چھپنے لگی۔ 1906ء میں نواب صاحب کے چھوٹے شہزادے محمد بہادر خان نے رحلت کی۔ اس کے بعد نواب صاحب رسول خان صرف پانچ برس مزید زندہ رہے۔ انہیں مرض قلب کی شکایت تھی۔ دہلی کے شہرہ آفاق حکیم اجمل خان کو نواب صاحب نے جوناگڑھ بلا کر مشورہ کیا۔ وہ ان کی تجویز کے مطابق دوا استعمال کرنے والے تھے کہ موت نے مہلت نہ دی 22 جنوری 1911ء کو نواب محمد رسول خانجی 55 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ چونکہ شہزادہ ولی عہد محمد مہابت خان کی عمر نواب صاحب کے انتقال کے وقت گیارہ سال تھی لہذا ریاست کا انتظام ایجنسی کے سپرد کر دیا گیا۔

نواب سر محمد رسول خان نیک سیرت اور درویش صفت آدمی تھے۔ مسند نشینی کے بعد بھی آپ کے اخلاق حسنہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ عام لوگوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ نہایت عمدہ ہوتا تھا۔ دانش مندی کے ساتھ ان کی ضروریات کی خبر گیری کرتے تھے۔ رعایا کی فلاح و بہبود کا آپ کو بہت خیال رہتا تھا۔ آپ نماز کے بعد ان کی خوشحالی کے لیے دعا کرتے تھے۔ طبیعت میں صلح پسندی اس قدر تھی کہ جب کشتی ہوتی، دو پہلوان لڑتے تو آپ ان کے لئے دعا کرتے کہ اے اللہ دونوں کی عزت رکھیو۔ طاعون پھیلنے پر بھی آپ رعایا کے خیال سے کبھی شہر سے باہر نہیں گئے کیوں کہ آپ کو یقین تھا کہ موت کسی بھی جگہ چھوڑنے والی نہیں ہے۔ ایسے موقع پر آپ کے ہاں بخاری شریف پڑھی جاتی۔ ہر جمعرات کی شام بادام والی کچہری میں دو گھنٹے تک عام دربار کرتے تھے۔ اس موقع پر ریاست کے غریب سے غریب لوگ بھی آپ سے گفتگو کر سکتے تھے۔ کسی کو حاضری سے منع نہیں کیا جاتا تھا اور کوئی حاجت مند ایسا سننے میں نہیں آیا جس کی شکایت رفع نہ کی گئی ہو۔ نواب صاحب نے وفات سے پہلے پینشن کا قاعدہ جاری کرنے کا اعلان کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کے لئے تمام ریاست میں تعلیم مفت کر دی تھی۔ اس طرح ہندوؤں کو بھی فراخ دلی سے وظائف دیئے گئے۔ بہاؤالدین کالج میں پچیس فیصد ہندو طلباء کا مفت داخلہ مقرر کیا گیا۔ نواب صاحب کو عمدہ کاٹھیاواڑی گھوڑے رکھنے کا بہت شوق تھا۔ ان کے عہد میں رفاہ عام کے بہت کام ہوئے۔

بہاؤالدین کالج اور اس کا ہاسٹل، بہادر خانجی لائبریری اور میوزیم رسول منزل، رسول خانجی واٹر ورکس، رسول خانجی اسپتال اور دیگر عمارتیں تعمیر کی گئیں۔

22 جنوری 1911ء سے 30 مارچ 1920ء تک ریاست جوناگڑھ برطانوی انتظام میں رہی۔ کم سن نواب مہابت خانجی مرحوم نواب صاحب کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ عائشہ بی بی، ماں صاحبہ کے نام سے مشہور تھیں شہر کے راج محل میں رہتی تھیں مگر صغیر سن نواب صاحب شہر کے باہر عمدہ آب وہوا میں مہابت منزل میں رہتے تھے۔ 17 جنوری 1912ء کو کمسن نواب صاحب کی تقریب ختنہ قرار پائی تھی لہذا اس روز نواب صاحب مہابت منزل سے راج محل اپنی والدہ کے پاس رہنے کیلئے تشریف لے گئے۔ اس دن شام کو چار بجے راج محل میں دربار منعقد ہوا اور تقریب ختنہ ادا کی گئی۔ اس روز شہر کے 125 لڑکوں کی ختنہ کرادی گئیں اور ہر ایک کو پچاس پچاس روپے دیئے گئے۔ ختنہ کے چھٹے روز نوبت چھاپنے کی رسم ادا کی گئی۔ کمسن نواب صاحب کے استاد اور نگراں کی حیثیت سے مسٹر ڈبلیو براؤن کا تقرر ہوا جو ریاست جوناگڑھ کے ڈائریکٹر تعلیمات بھی تھے۔ محمد مہابت خانجی نے تعلیم کے سلسلے میں بہترین رجحان طبیعت اور ذہانت کا ثبوت دیا اور نہایت شوق سے علم کی تحصیل میں مشغول رہے۔ انگریزی زبان میں اچھی مہارت پیدا کی۔ ریاست کے انگریز ایڈمنسٹریٹر کو وہ انگریزی میں ہی خط لکھتے تھے۔ ورزشی کھیلوں کے بھی شائق تھے۔

ایجنسی کے انتظام میں بھی ریاست میں کئی ترقیاتی کام ہوئے۔ بھاؤنگر، گونڈل، جوناگڑھ اور پور بندر ریلوے کو علیحدہ علیحدہ حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یکم اپریل 1911ء کو جوناگڑھ اسٹیٹ ریلوے علیحدہ ہوگئی، اس کا اسٹاف ازسرنو مرتب کیا گیا اور ہیڈکوارٹر جوناگڑھ کو ترقی دینے کیلئے ضروری انتظامات کیے گئے۔ کورونیشن میموریل زنانہ اسپتال قائم کیا گیا۔ سینٹ جان ایمبولینس ایسوسی ایشن کا جوناگڑھ اسٹیٹ میں ایک مرکز بنایا گیا۔ بانٹوا سے سراڑیہ تک ریلوے لائن مکمل کی گئی۔ کتیانہ میں مسلم لڑکوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ اسلامیہ تعمیر کیا گیا۔ اس زمانے میں کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مہابت مدرسے کے احاطے میں منعقد کی گئی "مسلم ٹیکنیکل اینڈ ریکریشن ہال "غریب مسلمان لڑکوں کی حرفتی تعلیم اور تفریح کے واسطے چندہ کر کے بنایا گیا۔

نواب محمد مہابت خانجی کی تخت نشینی

12 مارچ 1920ء کو ایڈمنسٹریٹر مسٹر رینڈل نے اعلان کیا کہ 31 مارچ کو نواب مہابت خان کو اختیارات تفویض کئے جائیں گے۔ نواب مہابت خانجی کی تخت نشینی کی خوشی میں 30 مارچ سے یکم اپریل تک ریاست میں عام تعطیل رہی۔ نواب محمد مہابت خان کی تخت نشینی کے لئے ان کی تمام رعایا مدت سے چشم براہ تھی۔ دربار تاج پوشی صبح نو بجے بہاؤالدین کالج کے ہال میں منعقد ہوا۔ نواب صاحب ادائیگی رسم کے وقت سے پانچ منٹ قبل اپنے محل مہابت منزل سے طلائی گاڑی میں پچاس امپریل سروس لانسرز اور اپنے

بچپن کے رفیق شیخ محمد بھائی کے ساتھ جلوس میں روانہ ہوئے۔ جب نواب صاحب دربار ہال پہنچے تو دروازے پر ایڈمنسٹریٹر رینڈل نے نواب صاحب کا استقبال کیا۔ گارڈ آف آرنر نے 15 توپوں کی سلامی دی۔ بینڈ نے جوناگڑھ کا ترانہ بجایا۔ دربار شروع ہوا، گورنر کے ایجنٹ نے عارضی ایڈمنسٹریشن کے اختتام کا اعلان کیا اور نواب صاحب کو وائسرائے کا خطبہ پیش کیا ایک سرکاری چوپ دار نے اس وقت نواب صاحب کے خطابات با آواز بلند سنائے۔ نواب مہابت خان عجیب آدمی تھے۔ ریاست کا تمام انتظام اور کاروبار وہاں کے دیوان "وزیر اعظم" کے حوالے تھا۔ نواب کبھی کسی کے معاملے میں دخل نہیں دیتے تھے۔ فطرتاً وہ الگ تھلگ رہنا پسند کرتے تھے۔

برطانوی حکومت نے نواب صاحب کو بہت سے خطابات سے نواز رکھا تھا۔ ایک مرتبہ وہاں کے انگریز پولیٹیکل ایجنٹ نے انہیں ایک اور خطاب کی پیشکش کر دی۔ یہ سنتے ہی تلملا اٹھے نہیں..... نہیں..... مجھے اور خطاب نہیں چاہئے۔ خواہ مخواہ مجھے وائسرائے کا شکریہ ادا کرنے دہلی جانا پڑے گا۔ مگر حیرت اس بات پر ہے کہ جب کسی نے انہیں اجمیر شریف جانے کی ترغیب دی تو وہ فوراً تیار ہو گئے اور ایک اسپیشل ٹرین لے کر وہاں پہنچے۔ اس ٹرین میں پوری ایک ویگن چاولوں کی بوریوں سے بھری ہوئی ہوتی جو وہاں کی عظیم دیگ کی نذر کی جاتی۔

کبھی کبھی نواب صاحب کسی باغ میں بھی نظر آ جایا کرتے تھے۔ وہ کھلی کار میں خود اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے ہوتے اور پچھلی سیٹ کتوں کے حوالے ہوتی۔ کار دھیمی رفتار سے چلتی رہتی اور کتے زبان نکالے ہوا خوری کے مزے لوٹتے۔ نواب صاحب ہر کتے کو اس کے الگ نام سے پکارتے وہ اچک کر بگھی سے نکل جاتا اور کار کے ساتھ ساتھ چلنے لگتا۔

نواب محمد مہابت خانجی کی اصلاحات

نواب مہابت خان کا کتوں کا شوق اپنی جگہ مگر انہیں عام لوگوں سے بھی بے پناہ محبت تھی۔ وہ ان کی فلاح و بہبود کا ہر ممکن خیال رکھتے تھے خاص طور پر مسلمانوں کا درد ان کے دل میں بہت تھا۔ جوناگڑھ میں مسلمانوں کے لیے ڈگری تک کی تعلیم بالکل مفت تھی۔ یہ رعایت صرف ریاست کے مسلمانوں تک محدود نہیں تھی اس میں پورے برصغیر کے مسلمان طلبہ شامل تھے وہاں کا بہاؤالدین کالج بمبئی یونیورسٹی سے منسلک تھا اور ملک کے بہترین تعلیمی اداروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ دور دور سے مسلمان لڑکے وہاں تعلیم حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ ہمارے ملک کے عظیم قانون داں اور دانشور اے۔ کے۔ بروہی مرحوم نے بھی اس کالج میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے علاوہ بہاؤالدین کالج میں ان صاحبان نے بھی علم کی پیاس بجھائی تھی۔ اکبر خان غوری ایڈووکیٹ، اسماعیل پڈھیار ایڈووکیٹ، جناب غنی کمال، اے اے شیخ، عبدالحفیظ قریشی ایڈووکیٹ، احمد نواز خان ایڈووکیٹ، عبدالحق شیخ انجینئر، پروفیسر علی نواز جتوئی، عارف علی بخاری ایڈووکیٹ، ڈاکٹر عبدالوحید ایڈووکیٹ پی ایچ ڈی، ڈاکٹر نور احمد میمن، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ پی ایچ ڈی، پیر بخش، غلام رسول میمن، غلام قادر شیخ ایڈووکیٹ، انجینئر غلام رسول میمن، جسٹس جمال الدین احمد، پیر سٹر نظامانی، پیر الٰہی بخش سابق چیف منسٹر سندھ، ایس ایم عبدالوہاب، سید پناہ علی شاہ مو سوی، شاہ محمد اور شاہ نواز ایڈووکیٹ۔

نواب مہابت خان نے مسند نشینی کے بعد 25 جولائی کو مندرجہ ذیل فرمان نمبر 13 جاری کیا۔

" میری رعایا کا بڑا حصہ زراعت پیشہ ہے انکی فلاح و بہبود کا مجھے بہت خیال رہتا ہے جوناگڑھ کی دولت کا ماخذ یہی محنت کش کاشتکار ہیں اپنے اغراض کے لحاظ سے میں مجبور ہوں کہ انھیں ریاست میں سب سے زیادہ اہمیت دوں اور آئندہ سیاسی ترقی میں ان کا ممتاز درجہ تسلیم کروں مگر چونکہ وہ زیادہ تر غریب اور بے زبان قسم کے لوگ ہیں لہذا ان کی کوئی پرواہ نہیں کرتا صبر کے ساتھ مصائب برداشت کرنا ان کی امتیازی عادت ہو گئی ہے اس وجہ سے وہ بسا اوقات بے ایمانی اور غارت گری کا شکار ہو جاتے ہیں میری دلی تمنا ہے کہ ایسے ذرائع اختیار کروں کہ ان کی خاص ذاتی طور پر حفاظت کر سکوں اور مجھے معلوم ہوتا رہے کہ ان کی دلی خواہشات اور مطالبات کیا ہیں تا کہ انھیں واجبی اہمیت دی جائے۔

اس مقصد کے لیے میں حکم دیتا ہوں کہ تمام خالصہ دیہات میں یکم اگست سے مال گزاری پٹیل نہیں رہیں گے ان کے بجائے دیہات کے پٹیل ہوں گے۔ ان کا انتخاب خود دیہات کے باشندے بغیر کسی خارجی دباؤ اور اثر کے کریں گے یہ پٹیل محکمہ مال کے ملازم نہیں خیال کئے جائیں گے بلکہ معاون ہوں گے انہیں میرے خاص حکم کے بغیر نہ تو سزا دی جائے گی اور نہ علیحدہ کیا جائے گا۔

اس تاریخ سے دیہاتی کمیٹیاں جو اس وقت موجود ہیں توڑ دی جائیں گی اور انکی جگہ ہر ایک خالصہ گاؤں میں دیہاتی پنچایت قائم ہوگی جو ایک گاؤں کے پٹیل اور چار کاشتکاروں پر مشتمل ہوگی ان کا انتخاب بھی گاؤں کی آزادانہ رائے پر ہوگا اس امر میں بہت احتیاط برتی جائے گی کہ کوئی خارجی یا سرکاری اثر گاؤں پر نہ ڈالا جائے خواہ یہ بالواسطہ ہو

یا بلا واسطہ، میں چاہتا ہوں کہ پنچایت کے اراکین کا انتخاب بالکل آزادانہ ہو میری یہ خاص خواہش ہے کہ وہ گاؤں کی آبادی کے صحیح نمائندے ہوں۔

اس طرح منتخب کی ہوئی پنچایت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے گا گاؤں کے مفادات کے جتنے بھی معاملات ہیں ان کے بارے میں دورے کرنے والے تمام افسران اور مقامی حکام بھی مشورہ کریں گے یہ پنچایت مالیات کے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں کا تصفیہ بھی کرے گی تمام ذاتی جھگڑوں میں سوائے کسی بڑے جرم کے اکا اثر کام میں لایا جائے گا آب کاری کا افسران سے خاص طور پر یہ مشورہ کرے گا کہ منشیات کا انسداد کس طرح کیا جائے بدقسمتی سے منشیات کے استعمال کو فروغ حاصل ہو رہا ہے جو میرے لئے بے حد تکلیف دہ اور اذیت ناک ہے میں چاہتا ہوں کہ یہ ناپاک چیزیں کسی بھی گاؤں میں اثر انداز نہ ہونے پائیں منشیات فروشوں کا مکمل قلع قمع کرنے میں پنچایت بھرپور تعاون کرے گی تعلیمی حکام بھی مدارس قائم کرنے اور نصاب مرتب کرنے میں پنچایت کی آراء کو وقعت دیں گے۔

میں اپنے تمام افسران اور حکام کو حکم دیتا ہوں کہ دیہات پنچایت کو کامیاب بنانے میں بھرپور مدد کریں گے اسے ایسی ذمہ دار جماعت بنانے میں مدد دیں کہ اس کے ذریعے گاؤں کی آبادی ایک خودمختار حیثیت اختیار کر لے۔ سال میں ایک بار یا ضرورت ہو تو زیادہ مرتبہ دیوان یا نائب دیوان ہر محال کے خاص قصبے میں ایک دربار منعقد کریں گے جس میں اس محال کے پنچ یا ہر خالصہ گاؤں کا پنچ یا اس کا وفد شریک ہوگا اس دربار میں ریاست کی اس پالیسی کی مفصل تشریح کی جائے گی جس کا تعلق کاشت کاروں سے ہے دیہات کی ضروریات اور ترقی سے متعلق درخواستوں پر بھی غور کیا جائے گا جو افسر دربار منعقد کرے گا وہ اس مقام پر کم از کم تین دن قیام کرے گا اور ذاتی طور سے ہر درخواست کرنے والے کی سماعت کرے گا اور خاص توجہ اس معاملے پر کی جائے گی جو دیہاتی پنچ پیش کرے گا اس بارے میں ہر ممکن احتیاط کی جائے گی کہ دیوان یا نائب دیوان اور درخواست کنندگان کے درمیان براہ راست تعلق قائم ہو اور درمیان میں کوئی افسر نہ ہو۔

محال کے درباروں کا خاص کام یہ ہوگا کہ حاضرین میں سے پانچ ایسے آدمیوں کا انتخاب کریں گے جو محال کے نمائندگان کہلائیں یہ نمائندے ہر سال ماہ فروری میں دارالسلطنت شہر جوناگڑھ میں اس دربار میں شرکت کے لئے آئیں گے جو میں خود ان کے لئے منعقد کروں گا تاکہ میں بذات خود ان سے گفتگو کر سکوں اور وہ اپنی ضروریات میرے سامنے پیش کر سکیں وہ ایک ہفتے تک جوناگڑھ میں سرکاری مہمان کی حیثیت سے رہیں گے۔ اس زمانے میں مختلف دفاتر کے اعلیٰ افسران ان سے سرکاری پالیسی کی مکمل تشریح کریں گے خصوصاً ان معاملات سے جن کا تعلق مال گزاری، زراعت، ریلوے، سڑکوں، تعلیم اور حفظانِ صحت سے ہوگا۔

محال کے نمائندوں کو جوناگڑھ کے سرکاری اداروں کو دیکھنا کا پورا پورا موقع دیا جائے گا انہیں بتایا جائے گا کہ یہ ادارے کس طرح کام کرتے ہیں۔ میں اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ کوئی قانون، فرمان، حکم یا قاعدہ ایسا شائع نہیں کیا جائے گا جس سے بالواسطہ کاشت کاروں کی آزادی یا گاؤں کی اقتصادی زندگی پر کوئی اثر پڑ سکے جب تک کہ اس کی تسلی محال کے نمائندوں سے نہ کر لی جائے جب تک کہ وہ اس پر بحث نہ کر لیں اور تمام پہلوؤں سے اسے سمجھ نہ لیں۔ اس اعلان کے ساتھ میں چاہتا ہوں کہ میری ریاست کے ہر خالصہ گاؤں میں یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ آئندہ کسی کاشت کار کو اس کی زمین سے محروم نہیں کیا جائے گا جب تک ایسا کرنے کی وجہ میرے سامنے پیش نہ کی جائے اور میں اسے پوری طرح سمجھ نہ لوں اور جب تک کاشت کار کو میرے سامنے بذاتِ خود آ کے اپنے خلاف عائد کردہ الزامات کی جواب دہی کا موقع نہ ملے۔"

نواب مہابت خان کے مندرجہ بالا فرمان سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ انہیں ریاست کے غریب عوام کا کتنا خیال رہتا تھا خصوصاً کاشت کاروں کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے اور ان کی فلاح و بہبود کا ہر ممکن خیال رکھتے تھے۔ نواب مہابت خان کے اس اعلان سے کاشت کاروں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور وہ مہابت خان سے عقیدت کی حد تک محبت کرنے لگے۔ نواب صاحب نے دوسری ریاستوں کے نوابوں کے برعکس ذاتی طور پر خود چاہا کہ ان کی رعایا میں سیاسی شعور پیدا ہو اور وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ بہت سے ایسے ترقیاتی منصوبے جن کے متعلق دوسری ریاستوں میں بات کرنا بھی خودکشی کے مترادف تھا۔ نواب مہابت خانجی نے بغیر کسی تحریک کے ان منصوبوں کو کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ جمہوریت کے بنیادی اصولوں کے نفاذ کے ساتھ بلدیہ میں بھی عوام کے نمائندے نامزد کئے گئے تاکہ شہری نظام میں ان کی آواز بھی شامل ہو سکے۔ ممبران کی نامزدگی میں ہر قوم کو برابر کی نمائندگی دی گئی۔

شیخ محمد بھائی جو نواب صاحب کے ملٹری سیکریٹری تھے انہیں اپنا پرائیویٹ سیکریٹری بنایا اور تھوڑے ہی عرصے بعد وہ 1922ء میں ریاست کے دیوان (وزیراعظم) مقرر کئے گئے شروع شروع میں یہ خدشہ ظاہر کیا گیا تھا کہ جوان العمر نواب اور ناتجربہ کار وزیراعظم امور مملکت کو کامیابی کے ساتھ نہ چلا پائیں گے لیکن ابتدا ہی سے انہوں نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے جس تیز رفتاری سے کام کیا اس سے لوگ مطمئن ہو گئے۔

نواب مہابت خانجی کی تعلیمی خدمات

نواب سر محمد مہابت خان نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری سمجھا کہ ان کی تعلیمی ترقی کی طرف پوری توجہ دی جائے اور ہر ممکن سہولتیں بہم پہنچائی جائیں ۔تا کہ ہر خاص و عام علم کی دولت سے مالا مال ہو سکے ۔اس ارادے کے پیش نظر ابتدائی تعلیم مفت کر دی گئی، ہر قصبے میں ابتدائی تعلیم کے مراکز قائم کر دیئے گئے ۔شہروں میں مڈل اور ہائی اسکول تعمیر کئے گئے ۔راجکوٹ شہر کے ہائی اسکول اور کالج فنڈ میں بڑی رقمیں دی گئیں حالانکہ یہ ادارے ریاست جوناگڑھ میں نہیں تھے۔احمد آباد کے گجرات کالج، بمبئی کے انجمن اسلام اسکول اور جے جے کالج آرٹس کو بھی مالی امداد دی گئی۔

ریاست کے طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے وظیفہ دینے کا انتظام بھی کیا گیا تا کہ انہیں مالی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جو طلبہ تعلیم کے لئے برطانیہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے ان کو بھی پورے اخراجات ریاست کی طرف سے دینے کا اعلان کیا گیا، چونکہ مسلمان تعلیم میں دوسری قوموں کے مقابلے میں بہت پست تھے۔اس لئے ان کی تعلیم کو فروغ دینے کا خاص اہتمام کیا گیا،ان کے لئے ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم مفت کر دی گئی اور انعامات اور وظائف دینے کا بھی انتظام کیا گیا ۔شہر جوناگڑھ میں ایک مدرسہ صرف بچوں کے لئے قائم کیا گیا، جس کا نام "مہابت مدرسہ" تھا۔کتیانہ اور ویراول شہر میں مدرسے اور ہائی اسکول قائم کئے گئے جیسے جیسے لوگوں کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا گیا اور طلبہ کی تعداد بڑھتی گئی، تعلیمی اداروں میں بھی اضافہ ہو گیا ۔اصول یہ تھا کہ کوئی شخص اس وجہ سے تعلیم سے محروم نہ رہے کہ ریاست میں اداروں کی کوئی کمی تھی ۔

قیام پاکستان سے بہت پہلے سندھ میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کی سخت کمی تھی ۔ان کی تعداد برائے نام تھی اور ان میں ہندوؤں کی اجارہ داری تھی ۔ سندھی مسلمان اعلیٰ تعلیم کے لئے ترستے تھے ۔ایسے میں نواب جوناگڑھ مہابت خان نے سندھی مسلمانوں کے لیے بہاؤالدین کالج اور دیگر اداروں کے دروازے کھول دیئے تھے ۔انہیں ہر ممکن سہولت فراہم کی تھی ۔ سندھی طالب علموں کو مفت رہائش اور طعام کے خصوصی انتظامات کئے گئے تھے ۔ بہاؤالدین کالج میں تعلیم حاصل کرنے والے سندھی طالب علموں کو پرائمری اسکولوں میں فوری ملازمت دے دی جاتی تھی اور یوں وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ نہ صرف اپنے اخراجات پورے کرتے تھے بلکہ اپنے گھر والوں کو ہر ماہ معقول رقم بھیجتے تھے۔ جوناگڑھ والے سندھیوں کے ساتھ بہترین سلوک کرتے تھے اور ریاست میں بڑی تعداد میں سندھی آباد تھے۔ بلاشبہ سندھ پر یہ جوناگڑھ کا بہت بڑا احسان ہے ۔پاکستان کے لئے جوناگڑھ کے باشندوں نے بیش بہا قربانیاں دی تھیں ۔اپنی زمینیں جائیداد اور کاروبار چھوڑ کر یہ لوگ لٹے پٹے پاکستان آئے تھے۔ریاست میں میمن بیوپاری بڑی تعداد میں آباد تھے۔ وٹھلی اور بانٹوا میں ہزاروں میمن کاروبار کرتے تھے سڑاڑیہ کے ساتھ ہی بارندی بہتی تھی اور اس کے پار میمن بیوپاریوں کا مشہور شہر کتیانہ آباد تھا۔ جوناگڑھ کی بہادر سندھی آبادی بھی ریاست پر بھارت کے غاصبانہ قبضے کے دوران میں مظالم کا شکار ہوئی اور اسے واپس اس سرزمین کی طرف رجوع کرنا پڑا جسے وہ کوئی سو برس پہلے چھوڑ کر کاٹھیاواڑ میں جا بسے تھے۔ متمول میمن تو پہلے ہی پاکستان والے علاقے سے اپنے کاروبار کی وجہ سے وابستہ تھے لہٰذا وہ تمام کے تمام کراچی آ کر آباد ہو گئے اور پاکستان کی اقتصادی حالت کو مستحکم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ پاکستان کی محبت کی خاطر والیان ریاست اور جوناگڑھ، ماناودر اور مانگرول کے مسلم عوام نے فقید المثال قربانیاں دی تھیں ۔ جوناگڑھ، دھوراجی، بانٹوا اور کتیانہ کے میمنوں پر ہندوؤں نے راتوں کو وحشیانہ حملے کئے ۔انہیں ظلم اور بربریت کا نشانہ بنایا ان کے مال و اسباب کو لوٹ کر ظلم کے پجاریوں نے درندگی، آگ اور خون کا ایک ایسا باب رقم جوان کی تاریخ کا سیاہ ترین باب کہا جائے گا لیکن حوصلہ مند میمن برادری نے اسلام اور پاکستان سے اپنی محبت میں یہ سب کچھ بڑے حوصلے سے برداست کیا اور پاکستان کی طرف ہجرت شروع کی ۔ پاکستان آنے کے بعد پاکستان کی تعمیر و ترقی میں میمن برادری نے جو اہم کردار ادا کیا وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ پاکستان آ کر میمنوں نے مضبوط بنیادوں پر تجارت اور صنعت کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی جس کے نتیجے میں ملک عزیز کو معاشی استحکام حاصل ہوا ۔

بابائے قوم محمد علی جناح کے زمانے میں ریاست جوناگڑھ کے پاکستان سے الحاق کے بعد کچھ حقوق متعین کئے گئے تھے مثلاً میڈیکل کی چار اور انجینئرنگ کی دو نشستیں تھیں جب کہ زمانے میں اعلیٰ تعلیمی ادارے بھی کم تھے، ہونا یہ چاہئے تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان نشستوں کی تعداد میں اضافہ کیا جاتا مگر ماضی میں ان چھ نشستوں کو بھی بغیر کسی جوزا کے ختم کر دیا گیا ۔اس طرح نواب جوناگڑھ کو حکومت پاکستان کی جانب سے جو مراعات اور اعزازات دیئے گئے تھے انھیں بھی ختم کر دیا گیا۔کم از کم تعلیم کے میدان میں جوناگڑھ کی عظیم خدمات ہی کا خیال کر لیا جاتا ۔نواب مہابت خان نے اسلامیہ کالج پشاور کو بھی کثیر رقم بطور عطیہ دی تھی ۔انہوں نے تو اچھوت ہندوؤں کی پست ذاتوں کی تعلیم کا بھی عمدہ انتظام کیا تھا۔ریاست کے اسکولوں میں انہیں بغیر کسی روک ٹوک کے داخل کیا جاتا تھا۔اس کے علاوہ ان کے لئے علیحدہ اسکول بھی قائم کئے گئے تا کہ یہ لوگ بھی اپنے مستقبل کو سدھار سکیں ۔نواب محمد مہابت خان کی توجہ کے مراکز میں تعلیم نسواں بھی شامل تھی ۔لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ریاست کے ہر شہر میں علیحدہ اسکول قائم کئے گئے تھے جہاں پڑھائی کے ساتھ ساتھ دستکاری اور دیگر امور خانہ داری کی تعلیم بھی دی جاتی تھی ۔

نواب صاحب کو تعلیم کے ساتھ ساتھ صحت عامہ کا بھی خیال رہا۔ انہوں نے شہر کے بڑے اسپتال کی توسیع کا حکم دیا اور اسے جدید آلات سے مرصع کیا۔ اعلیٰ تجربہ کار ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کر کے اسے نہ صرف ریاست کا بلکہ کاٹھیاواڑ کا ایک بہترین ادارہ بنا دیا۔ عورتوں کے علاج کے لیے اور زچہ و بچہ کی دیکھ بھال کے لئے جوناگڑھ میں ایک جدید طرز کا زنانہ اسپتال اور زچہ خانہ قائم کیا گیا جس میں نسوانی امراض کی ماہر لیڈی ڈاکٹر زمقرر کی گئیں اس کے علاوہ متعدی امراض کی روک تھام کا بھی خاطر خواہ انتظام کیا ہوا تھا۔

نواب مہابت خانجی ایک خودمختار حاکم ہونے کے باوجود ایک آئینی سربراہ کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ ریاست میں وزراتی طرز حکومت رائج تھا۔ اس وزارت کو اسٹیٹ کونسل اور اس کے ارکان کو ممبر کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اس کا سربراہ دیوان یعنی وزیر اعظم ہوتا تھا۔ ہر وزیر کے پاس کچھ مقررہ دفاتر ہوتے تھے۔ ان کے اختیارات میں نواب کسی بھی طرح کی دخل اندازی نہیں کرتے تھے۔ ان کی تقرر بغیر کسی مذہبی و قومی تعصب کے صرف قابلیت کی بنیاد پر کی جاتی تھی۔ ریاست میں کوئی سیاسی جماعت نہ تھی۔ 1938ء میں کانگریس اکسانے سے " جوناگڑھ پرجامنڈل " قائم کیا گیا تھا لیکن یہ ادارہ عوام میں مقبولیت حاصل نہ کرنے کے باعث جلد ہی غیر فعال ہو گیا۔

جوناگڑھ کی معاشرتی زندگی

مسلمانوں کا ایک ادارہ " جمعیت مسلمانان جوناگڑھ " تھا۔ اس کی ایک اہم فریاد ریاست کی ملازمتوں میں مسلمانوں کی بہت کم تعداد کے بارے میں تھی۔ اس جمعیت کے بانی مشہور ماہر تعلیم جناب اسماعیل ایرانی تھے جو بعد میں ریاست کے وزیر تعلیم بنے تھے۔ جمعیت خصوصی مواقع پر تقریبات منعقد کیا کرتی تھی۔ جوناگڑھ شہر میں دوپہر کے بارہ بجے ایک توپ داغی جاتی تھی اس کے ساتھ ہی سرکاری لنگر خانے کے دروازے کھول دیئے جاتے تھے غرباء اور فقراء کو کھانا دیا جاتا تھا۔ اسی طرح سادھوؤں اور ہندو غرباء کے لیے ایک علیحدہ "سداورت" قائم کیا گیا تھا۔ جہاں سے انھیں کچا اناج اور دیگر اشیائے خوردنی تقسیم کی جاتی تھیں۔

جوناگڑھ کے آخری پولیس کمشنر خان بہادر سیّد محمد حسین شاہ نقوی کے صاحبزادے اشفاق نقوی نے "جوناگڑھ کے آخری ایام" نامی کتاب میں جوناگڑھ کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے یوں لگتا ہے جیسے ہم " جوناگڑھ " میں گھوم رہے ہیں۔ " سیاہ لباس عموماً سوگ کا لباس سمجھا جاتا ہے مگر جوناگڑھ میں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ وہاں سفید کپڑا غم کی نشانی تھی۔ یہ بات کافی شرمندگی اٹھانے کے بعد معلوم ہوئی۔ ہوا یوں کہ جوناگڑھ پہنچنے کے چند روز بعد نواب صاحب کی ایک بیگم نے میری بیوی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور انھیں شاہی محل میں مدعو کیا۔ اس پہلی ملاقات کے لیے میری بیگم نے خاص تیاری کی اور اپنی بہترین ساڑھی نکال کر پہنی۔ اتفاق سے یہ ساڑھی سفید شیفون کی تھی۔ جب وہ شاہی محل میں پہنچیں تو پرتپاک استقبال کے ساتھ ہی وہاں کی عورتوں نے انھیں عجیب عجیب نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ زبان سے تو انھوں نے کچھ نہیں کہا لیکن ان کی نگاہوں سے ظاہر ہونے لگا کہ وہ کچھ پوچھنا چاہتی ہیں۔ رفتہ رفتہ کپڑوں اور ان کے رنگوں کی پسندیدگی کی باتیں شروع ہوئیں تو میری بیگم سمجھ گئیں کہ سفید لباس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ بات کھل گئی اور انہوں نے بتایا کہ ہمارے ہاں سفید رنگ صاف ستھرے ذوق کی نشانی ہے اور اسے شوخ رنگوں پر اکثر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

اس ملاقات کے بعد جب میری بیگم گھر لوٹیں تو شاہی محل کی ایک کار ان کے پیچھے پیچھے ہمارے یہاں پہنچی۔ اس کار میں سفید ریشمی کپڑے کے تھان لدے ہوئے تھے جو نواب صاحب کی بیگم نے بطور تحفہ بھیجے تھے۔ ان تھانوں کے ساتھ الائچی سے بھرا ہوا ایک تھیلا بھی تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ میری شیر خوار بچی کے لیے ہے اور صرف اس لیے کہ جب چاندی کی تھالی میں پان پیش کیے گئے تھے تو اس نے ہاتھ ہلاتے ہوئے الائچی کو چھو لیا تھا۔ ریاست میں رواج تھا کہ جس نے جو چیز پسند کر لی وہ اس کی ہو گئی! ان لوگوں کے لیے تو ایسا کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی مگر ہمیں دو ایک مرتبہ یہ سودا بڑا مہنگا پڑا۔

کپڑوں کا ذکر ہو رہا ہے تو اس علاقے کے لباس کے متعلق بھی سن لیجئے۔ کہتے ہیں کہ مختلف قوموں کے لوگ اپنے لباس سے پہچانے جا سکتے ہیں مگر ہم یہ فرق آخر تک معلوم نہیں کر سکے۔ بہرحال وہاں کے ہندو مرد ایک ڈھیلا سا چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے اور اوپر ایک اونچا فراق نما کرتہ۔ ہندو عورتوں کا لباس گھاگرا اور چولی تھا۔ گاؤں کی مسلمان عورتیں بھی تقریباً یہی کچھ پہنتی تھیں مگر شہر والیوں کا لباس مختلف تھا۔ وہ لمبے کرتے کے ساتھ باقاعدہ دوپٹا اوڑھتی تھیں۔ میمن عورتوں کا کرتہ کچھ اونچا ہوتا تھا اور اس کے ساتھ پہنے جانے والے پاجامے کے پائچوں پر طلے کی بھرمار۔ اس سے ان کی امارت کی غمازی ہوتی تھی۔ میمن جوان پتلون پہنتے تھے مگر قمیص اس سے باہر لٹکائے رکھتے تھے۔ مغربی طریقے

سے پتلون کے اندر قمیص کو ٹھونس لینا انتہائی درجے کی بدتہذیبی تصور کی جاتی تھی، باقی تمام مسلمان مرد کرتہ، سیدھا پاجامہ اور شیروانی پہنتے تھے۔ نوجوان جاگیردار برجس پہنتے تھے اور اس کے ساتھ چھوٹا ماؤ (یا لیاقت) کوٹ۔ ان کے سر پر زری کی بڑی سی پگڑی بھی ہوتی تھی۔ پگڑی ویسے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ دستار تھی۔ سوائے میمنوں کے جو تر کی ٹوپی پسند کرتے تھے امیر گھرانوں کی عورتیں اور شہزادیاں پردے میں رہا کرتی تھیں اس لئے ان کا لباس دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا البتہ سنا یہی ہے کہ وہ پرانے مغلوں کے زمانے کی پشواز پہنتی تھیں۔ شہر کی ہندو عورتوں میں ساڑھی کا رواج بھی تھا اور ان کے مرد دھوتی باندھتے تھے۔

ریاست میں پردے کی مکمل پابندی تھی البتہ دیہات کی عورتیں اس سے مبرا تھیں۔ بیگمات اور شہزادیوں کی کاروں کے شیشے سیاہ ہوا کرتے تھے جن میں سے وہ خود تو باہر کا نظارا کر سکتی تھیں مگر باہر والوں کی نگاہیں اندر نہیں پڑتی تھیں۔ کھلی جگہوں میں کار سے اترنے کا انتظام بھی موجود تھا۔ دروازہ کھولنے سے پہلے ان کے خاص ملازم ایک بڑی سی قنات لے کر کار کو ڈھک دیا کرتے تھے اور جب خواتین باہر نکل کر آگے بڑھتیں تو گھوم کر انھیں قنات سے پوری طرح گھیر لیتے تھے بس اسی طرح وہ ایک چلتے پھرتے تنبو کے اندر قدم بڑھاتی ہوئی منزل تک پہنچ جاتی تھیں۔ شاہی مستورات اگر کسی باغ میں سیر کو آجاتیں تو باغ کا دروازہ بند کر کے اس پر "پرہیز" کی تختی آویزاں کر دی جاتی تھی۔ (گجراتی زبان میں "پرہیز" پردے کو کہتے ہیں) جن باغات یا مقامات پر دروازے نہیں تھے وہاں پر ٹہلتی ہوئی بیگمات اور شہزادیوں سے کچھ دور آگے ملازم چلتے جاتے تھے اور "پرہیز، پرہیز" کے نعرے بلند کرتے رہتے۔ یہ آواز سن کر کوئی "نامحرم" اس طرف جانے کی جرأت نہ کرتا۔

جوناگڑھ کی سرکاری زبان گجراتی تھی۔ جاننے کو تو سبھی یہ زبان جانتے تھے مگر وہاں کے مسلمان گجراتی اور اردو کا مرکب بنا کر بولنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کا نام بھی "مسلمانی" تھا۔ وہ اس زبان پر گفتگو کرنے پر اس قدر مصر تھے کہ اگر کوئی ان سے کوئی گجراتی میں مخاطب ہوتا تو فوراً پلٹ کر کہتے "مسلمانی میں بولو"۔

جوناگڑھ شہر میں ایک طبقہ رہتا تھا جو "ناگر" کہلاتا تھا۔ یہ لوگ برہمن تھے اور باقی ہندوؤں سے زیادہ تہذیب یافتہ با اخلاق اور خوش شکل، ان ناگروں کے بعض بوڑھے بڑی عمدہ فارسی جانتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی زمانے میں ریاست کی سرکاری زبان فارسی ہوا کرتی تھی اور یہ اونچی ذات کے ہندو اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے تھے مگر مزے کی بات یہ ہے کہ وہاں ایک ہائی اسکول کے مسلمان ہیڈ ماسٹر صاحب نے سنسکرت میں ایم اے کر رکھا تھا۔

ریاست میں شستہ اردو جاننے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی اور اس علاقے نے اچھے اچھے ادیب بھی پیدا کئے ہیں۔ قاضی احمد میاں اختر کا نام کون نہیں جانتا، انہیں تو بابائے اردو مولوی عبدالحق بھی "آفتاب کاٹھیاواڑ" کہا کرتے تھے۔ قاضی صاحب کی وہاں پر جاگیر تھی اور تقسیم ملک کے بعد آپ ایک عرصے تک کراچی میں تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے ان کے علاوہ اکمل بھوپالی اور صدیق جوناگڑھی بھی تھے۔ اکمل صاحب نہ صرف شاعر تھے بلکہ انھوں نے "تاریخ مصطفیٰ آباد" کے نام سے ریاست کی تاریخ بھی مرتب کی تھی۔ صدیق صاحب شاعر تو اردو کے تھے مگر املا گجراتی کا استعمال کرتے تھے۔

جوناگڑھ میں ادبی محفلیں بھی منعقد ہوتی تھیں اور مشاعرے بھی اکثر ہوا کرتے تھے۔ وہاں کے جاگیردار ان سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور خود بھی شعر کہتے تھے۔ ریاست میں آنے والے مسلمانوں کی خاطر تواضع کے لیے بڑے بڑے عمدہ مہمان خانے بنے ہوئے تھے۔ ان کا انتظام ایک الگ افسر کے سپرد تھا جو مہمانداری افسر کہلاتا تھا سب سے اعلیٰ مہمان خانہ "مہابت منزل" تھا جو راجاؤں اور نوابوں کے پائے کے لوگوں کے لیے مخصوص تھا۔ اس سے ذرا کم درجے کا مہمان خانہ "دلاور منزل" تھا۔ یہ دونوں مہمان خانے شہر کے جدید حصے میں تھے فیصل کے اندر والے پرانے شہر میں ایک اور وسیع مہمان خانہ دیسی طرز کی رہائش پسند کرنے والوں کی سہولت کے لیے موجود تھا۔ شکار کھیلنے والوں کے لئے گیر کے جنگل کے بیچوں بیچ ساسن کے مقام پر ایک عمدہ ریسٹ ہاؤس تعمیر کیا گیا تھا ان کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی ریسٹ ہاؤس موجود تھے۔

مہمانوں خانوں کے علاوہ ریاست کا موٹر خانہ بھی مہمان داری افسر کی تحویل میں تھا۔ اس محکمے کے احاطے میں چمکتے ہوئے سرخ نمبر کی پلیٹوں والی بڑی بڑی کاریں درجنوں کے حساب سے کھڑی رہتی تھیں۔ (پرائیوٹ کار کی نمبر پلیٹ نیلے رنگ کی ہوتی تھی) موٹر خانہ ریاست کے ہر اعلیٰ افسر کو ذاتی استعمال کے لیے حسب ضرورت دو تین کاریں فراہم کرتا تھا اس کے علاوہ ان کے نخرے بھی برداشت کرتا تھا۔ یعنی ان کی مرضی کے مطابق گاڑیاں بدل بدل کر بھیجتا رہتا تھا۔ وہ اگر ایک ماڈل سے اکتا جاتے تو دوسرا منگوا بھیجتے، "رولس رائس" سے جی بھر جاتا تو ڈیملر پر انگلی رکھ دیتے اور اگر کبھی کار میں کوئی بڑا نقص پیدا ہو جاتا مثلاً اگر اس کا ٹائر پنکچر ہو جاتا تو پہیہ بدلنے کے بجائے فون پر ڈانٹ کر فوراً دوسری گاڑی حاضر کرنے کا حکم صادر فرماتے۔

سرکاری مہمان داری کے علاوہ وہاں کے امیر بھی ذاتی طور پر بڑے مہمان نواز تھے مثال کے طور پر شکار سے لوٹتے ہوئے اگر آپ راستے میں کسی گاؤں میں علیک سلیک کے لیے رک جاتے تو وہ آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑتا جب تک کہ پرتکلف کھانا نہ کھلا لیتا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جب آپ کھانے کے بعد اپنی کار تک آتے تو معلوم ہوتا کہ اس دوران اس کی ٹنکی پٹرول سے لبالب بھر دی گئی ہے اور اعلیٰ ترین سگریٹوں کے چھ ڈبے زادراہ کے طور پر اگلی سیٹ پر پڑے ہیں۔

عام ہندوستانیوں کی طرح جوناگڑھ کے لوگوں کا رنگ بھی گندمی تھا اور بعض تو سیاہی مائل بھی تھے۔ ایک مرتبہ ایک کارخانے میں چند مزدور عورتوں کا سفید رنگ، اونچی

ناک اور نیلی آنکھیں دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہاں اب بھی ایک ایسی قوم آباد ہے جو خود کو سکندرِ اعظم کے فوجیوں کی اولاد کہتی ہے یہ لوگ خاندان سے باہر شادیاں نہیں کرتے تھے اس لیے ان کا ناک نقشہ اب تک یونانیوں جیسا ہی تھا۔

اس طرح وہاں کے مشہور "کاٹھی" گھوڑے عرب گھوڑوں کے مشابہ تھے ان کے جدامجد کسی زمانے میں عرب تاجروں کے ہمراہ وہاں پہنچے ہوں گے اور ان کی نسل اس وقت تک باقی تھی۔ اس نسل کے سب سے اعلیٰ نمونے سرکاری اصطبلوں میں محفوظ تھے۔ خاص تقریبوں پر جب انہیں سجا کر باہر نکالا جاتا تو وہ ناچتے اٹھکیلیاں کرتے اور گردن کے لمبے لمبے ریشمی بال لہرا لہرا کر لوگوں کو مسحور کر دیتے۔

نواب صاحب کی رہائش سردار باغ میں تھی۔ یہ شہر کے قریب ایک وسیع رقبہ تھا جس کے گرد اونچی دیوار بنی ہوئی تھی۔ اس کے اندر نواب کا اپنا محل، ان کی بیگمات اور قریبی عزیزوں کے محل۔ اے۔ ڈی۔ سی اور دیگر لواحقین کے بنگلے تھے۔ یہ علاقہ بذاتِ خود ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ شاہی خاندان کے ذاتی دفاتر بھی یہیں تھے اور ان کی اپنی کاروں کا موٹر خانہ بھی۔ شاہی خاندان کے استعمال میں آنے والی کاروں کی نمبر پلیٹ کا رنگ سرخ ہونے کے علاوہ ان پر ریاست کے جھنڈے کا نشان بھی بنا ہوتا تھا۔ جب شاہی خاندان کا کوئی فرد سوار ہوتا تو کار پر جھنڈا بھی لہرایا جاتا تھا۔

جوناگڑھ شہر کے جنوب میں کوئی پچاس میل کے فاصلے پر ویراول (بلاول) کی بندرگاہ تھی۔ ہر ساحلی شہر کی طرح وہاں نہ زیادہ گرمی پڑتی تھی نہ سردی۔ گرمیوں میں شاہی خاندان والے اکثر وہاں منتقل ہو جایا کرتے تھے ان کی رہائش کے لیے ساحل کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے بنگلے موجود تھے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ سمندر کے پانی میں نہانے کے لیے تالاب بھی بنا ہوا تھا۔ یہ تالاب اس طرح بنایا گیا تھا کہ سمندر کی لہریں آتی ہوئی اس میں پانی بھر جائیں مگر واپسی میں نہانے والے کو ساتھ بہا لے جانے سے قاصر رہیں۔

ویراول ریاست کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی۔ یہ جوناگڑھ کے ایک سو میل لمبے ساحل کے وسط میں تھی۔ ایک زمانے میں اسے "بابِ مکہ" بھی کہا جاتا تھا۔ دیکھ بھال پورٹ کمشنر کے ذمے تھی۔ ریاست نے ساٹھ لاکھ کے خرچ سے اس کی تجدید کرائی تھی اور ایک مینارِ نور (لائٹ ہاؤس) بھی بنوایا تھا جس کی روشنی بیس میل دور تک دکھائی دیتی تھی۔ اس بندرگاہ سے۔ بڑی بڑی بادبانی کشتیاں سامان اور مسافروں سے لد کر عرب ممالک اور مشرقی افریقہ کی طرف جاتی رہتی تھیں۔ دراصل برصغیر سے افریقہ جانے کے لیے یہ قریب ترین مقام تھا۔ کاٹھیاواڑ کے بہت سے باشندے کاروبار کی وجہ سے افریقی ممالک میں رہتے تھے اور ان کے لواحقین انہی کشتیوں کے ذریعے آیا جایا کرتے تھے ریاست کی طرف سے انہیں پاسپورٹ بھی جاری کیا جاتا تھا۔ ریاست کی ایک بندرگاہ "نوا بندر" خشک مچھلی کے کاروبار کے لیے مشہور تھی۔

جوناگڑھ سے ویراول جانے والی پکی سڑک کے 24 ویں میل پر کیشو دکا قصبہ تھا جہاں ایک جدید ہوائی مستقر تعمیر کیا گیا۔ بمبئی سے کراچی جانے والی پروازیں وہاں اترا کرتی تھیں۔ چھوٹے ہوائی جہاز جوناگڑھ کے قریب پولو کے میدان میں بھی اتر سکتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران تو امریکی فضائیہ کا ایک بڑا طیارہ بھی اسی میدان میں تقریباً صحیح سلامت اترنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ریاست میں کل 999 شہر اور قصبے تھے۔ سب سے بڑا اور صدر مقام جوناگڑھ تھا۔ اس شہر کا رقبہ سوا دو مربع میل اور آبادی تقریباً ایک لاکھ تھی۔ قدیم شہر کے گرد اونچی فصیل تھی جس میں سات دروازے بنے ہوئے تھے۔ شہر کے وسط میں ایک اور قلعہ بھی تھا جو اس کا قدیم ترین حصہ تھا۔ وہاں پر بدھ راہبوں کی چند غاریں اور پرانے زمانے کی باؤلیاں تھیں جن کی نگرانی محکمہ آثارِ قدیمہ کرتا تھا۔ پانی صاف کر کے شہر کو فراہم کرنے کا جدید نظام بھی وہیں پر تھا۔

شہر کے ہر دروازے کا الگ نام تھا جو دروازہ ریاست گوندل کی سمت کھلتا تھا اسے گوندل گیٹ کہتے تھے اور جو گرنار پہاڑ کی طرف وہ گرنار گیٹ کہلاتا تھا۔ شہر کا سب سے مشہور دروازہ کالوا گیٹ تھا۔ اس میں داخل ہوتے ہی ایک بڑا سا چوک آتا تھا جسے کالوا گیٹ کہتے تھے۔ شہر کے دونوں سینما گھر یہیں پر تھے اور ان کے اردگرد بے شمار پان کی دکانیں تھیں اور چائے کے ہوٹل، اس چوک میں ہر وقت چہل پہل رہتی تھی اور شام کو تو پورا شہر ہی یہاں امڈ آتا تھا۔

کالوا گیٹ کی ایک اور اہمیت بھی تھی۔ پرانے شہر سے نئی آبادی کی طرف جانے کا قریب ترین راستہ یہی تھا اس گیٹ سے باہر آنے والی سڑک کالوا ندی کے پل سے گزر کر "سول لائنز" میں داخل ہو جاتی تھی۔ شہر کے جدید حصے میں سرکاری دفاتر، مہمان خانے، جیم خانہ کلب بعض بیگمات کے محل اور اعلیٰ افسروں کے بنگلے تھے۔ کالج اور اس کا ہاسٹل بھی یہیں پر تھا۔ کچھ دور آگے کرکٹ کا گراؤنڈ اور گالف کھیلنے کا میدان تھا۔ ان کے ساتھ ہی ایک خوبصورت باغ بھی تھا جو موتی باغ کے نام سے مشہور تھا کچھ اور آگے چل کر پولو کا میدان آجاتا تھا۔ اور آخر میں ڈیری فارم۔

ریاست نے ریلوے کی ترقی پر ایک کروڑ روپیہ خرچ کر رکھا تھا اور ریل کی لائنیں ہر کونے تک پہنچی ہوئی تھیں۔ جوناگڑھ جنکشن سے ایک لائن چند میل دور شاہ پور جنکشن تک جا کر دو حصوں میں بٹ جاتی تھی۔ ایک لائن تو ویراول کو نکل جاتی تھی اور دوسری مغرب میں ونتھلی، بانٹوا اور سڑاڑیہ کی طرف۔ سڑاڑیہ کے ساتھ ہی بابرندی بہتی تھی اور اس کے پار میمن بیوپاریوں کا مشہور شہر کتیانہ آباد تھا۔ گاندھی یہیں پر پیدا ہوئے تھے۔ وہاں سے چند میل آگے ریاست پور بندر کی حد شروع ہو جاتی تھی جس کے دیوان کسی زمانے میں گاندھی جی کے والد تھے۔

جوناگڑھ شہر سے ایک اور ریلوے لائن جنوب مغرب کی طرف جاتی تھی جو گیر کے جنگل میں سے گزر کر اوا کے ساحلی شہر پر ختم ہوتی تھی اوا سے کچھ فاصلے پر دلواڑہ کا تاریخی شہر تھا جس پر کسی زمانے میں پرتگالی حکمرانی کر چکے تھے۔ یہاں سے چل کر کچھ دور آگے سمندر کا ساحل تھا جہاں سے دیو کا جزیرہ بالکل سامنے دکھائی دیتا تھا۔ اس جزیرے پر ان دنوں پرتگالیوں ہی کی حکومت تھی۔

جوناگڑھ سے شمال مشرق کی طرف جانے والی ریلوے لائن جیتل سر کے سرحدی اسٹیشن پر پہنچ کر ریاست گوندل کی لائن میں مدغم ہو جاتی تھی۔ وہاں سے یہ راجکوٹ کی طرف نکل جاتی اور دیگر مقامات سے گزرتی ہوئی بمبئی سے دہلی جانے والی چھوٹی لائن (metregauge) سے جا ملتی تھی۔ یہاں پر کاٹھیاواڑ کا آخری قصبہ مہسانہ تھا۔

دلواڑہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ایک چار سو سالہ مسجد کی وجہ سے بھی مشہور تھا۔ اس مسجد کے مینار سنگ لرزاں کے بنے ہوئے تھے۔ اندر کی سیڑھیوں سے اوپر چڑھنے کے بعد مینار کو ہلکا سا جھٹکا بھی دیا جاتا تو وہ جھولنے لگتا تھا، یہ عجوبہ دیکھنے کے لیے لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے۔ ریاست نے اس نایاب پتھر کا ٹکڑا اپنے عجائب گھر میں محفوظ کر رکھا تھا۔

دیو کا چھوٹا سا جزیرہ ایک بیرونی ملک کی حیثیت رکھتا تھا۔ جزیرے کے علاوہ تھوڑا سا ساحلی ٹکڑا بھی پرتگالیوں کی تحویل میں تھا اس بین الاقوامی سرحد پر ریاست کا آخری گاؤں احمد پور مانڈوی تھا۔ جہاں سے جوناگڑھ شہر کا فاصلہ ایک سو دس میل بنتا تھا دیو کا بارہ مربع میل جزیرہ اپنی تمام ضروریات کے لیے ریاست ہی کا دست نگر تھا یہاں تک کہ دودھ اور سبزی بھی یہیں سے جاتی تھی۔ سرحد پر کسٹم کی چوکی برائے نام ہی تھی اور ہر چیز اِدھر سے اُدھر با آسانی آجاتی تھی۔

پرتگالی حکومت اس جزیرے کو "کالے پانی" کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ انہوں نے وہاں ایک بہت بڑی جیل بنا رکھی تھی جس میں قاتلوں اور ایسے دیگر عمر قید پانے والے ملزموں کو رکھا جاتا تھا۔ اس جیل کے لیے انہوں نے جزیرے کا وہ کونا منتخب کیا تھا جہاں پر ہر طرف چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور ساتھ ہی یہ اہتمام بھی کیا تھا کہ اس کی اونچی فصیل کے ساتھ ہر وقت سمندری لہریں ٹکراتی رہیں۔ اس جیل تک پہنچنے کے لئے ایک گہری اور سمندری پانی سے بھرپور کھائی (Moat) عبور کرنی پڑتی تھی جس پر زنجیروں سے بندھا ہوا لمبا چوڑا تختہ بطور پل رکھا ہوا تھا۔ لوگوں کے گزر جانے کے بعد جیل کے محافظ اسے فوراً اوپر اٹھا لیتے تھے۔ قیدی بے چارے بارکوں کی چھتوں یا اونچی چٹانوں پر چڑھ کر نظارہ تو کر سکتے تھے مگر ان کے لئے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

جیل کا احاطہ بہت صاف ستھرا اور اس کے باسی خاصے خوش نظر آتے تھے۔ ہم جیل دیکھنے اندر پہنچے تو ایک نیلے کپڑے والے جوان نے بڑھ کر ہم سے مصافحہ کیا اور مسکرا مسکرا کر فصیح انگریزی میں جیل کا جغرافیہ سمجھانے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ ہاتھ کے بنے ہوئے خوبصورت پنکھے لے آیا اور ہم سے خریدنے کی درخواست کی۔ پورا وقت ہم سمجھتے رہے کہ وہ کوئی جیل کا ملازم ہے۔ مذاق کے طور پر ہم نے دوسرے قیدیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا "تم تو ان کے ساتھی نہیں ہو؟"

"بالکل۔" اس نے دانت نکالتے ہوئے جواب دیا "میں بھی انہی کا ساتھی ہوں" جیل کے احاطے میں چکر لگاتے ہوئے ہماری نظر ایک اردو عبارت پر پڑی، جو چاک سے چٹانوں پر جا بجا لکھی ہوئی تھی۔ اس علاقے میں اردو دیکھ کر کچھ اچنبھا سا ہوا اور جب عبارت کو غور سے پڑھا تو ہم وہیں ٹھٹک کر رہ گئے لکھا تھا "میرا کون ہے سوائے خدا"۔ جیل کے وارڈن سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک قیدی دن بھر یہ فقرہ اِدھر اُدھر لکھتا پھرتا ہے۔ ہم نے فوراً اسے بلوا بھیجا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک دبلا پتلا چھوٹی سی داڑھی والا گورا سا نوجوان ہمارے سامنے پیش کیا گیا۔ جب ہم نے اس سے اردو میں بات کی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے بتلایا کہ "وہ میانوالی کا رہنے والا ہے اور دس سال پہلے کام کی تلاش میں گھر سے نکل کر بمبئی پہنچا تھا۔ جب وہاں کام نہ ملا تو اس نے پرتگالیوں کے سب سے بڑے جزیرے "گوا" کا رخ کیا اور وہیں ایک فیکٹری میں ملازم ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر سولہ سال تھی۔ ایک روز کسی معمولی سی بات پر ایک ساتھی سے جھگڑا ہو گیا اور اس نے اسے چاقو مار دیا۔ تب سے وہ اس جیل میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا ہے اور کوئی ہم زبان نہ ہوتے ہوئے اسی طرح چٹانوں سے باتیں کرتا رہتا ہے۔"

جوناگڑھ کی سرزمین شکار کے شائقین کے لیے ایک جنت تھی۔ یوں تو شکار کھیلنے پر بندش تھی مگر خاص خاص لوگوں کو اجازت نامہ جاری کر دیا جاتا تھا ویسے لوگ چوری چھپے بھی بندوق چلا لیا کرتے تھے مگر اس کے باوجود کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شکار کی کمی محسوس ہوئی ہو۔ شہر سے باہر نکلتے ہی ہر قسم کے پرندے نظر آنے لگتے تھے اور سڑک پر چلتے چلتے درجنوں کے حساب سے تیتر مار لینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ یہ کمبخت اتنے نڈر تھے کہ کار دیکھ کر بھی اپنی جگہ ڈٹے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ تو ایک تیتر سے ایکسیڈنٹ بھی ہو گیا اور مجبوراً گاڑی روک کر اسے حلال کرنا پڑا۔

سڑک کے دونوں جانب کھیتوں میں ہرنوں کے ٹولے گھومتے رہتے تھے۔ بندوق تو ہر وقت ساتھ رہتی تھی اس لئے جب جی چاہتا ہم کار سڑک سے اتار کر ان کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیتے۔ وہاں کے کھیت ایسے ہموار تھے کہ کار پچاس میل کی رفتار سے بھی بھگائی جا سکتی تھی۔ قریب کی ایک ریاست کے شہزادے صاحب تو ہرنوں کے پیچھے کار دوڑاتے اور اسٹین گن کا دھانہ کھول کر کشتوں کے پشتے لگا دیتے تھے۔ ویسے ان کی یہ حرکت کسی طرح شکار نہیں کہلا سکتی تھی وہ تو قتلِ عام تھا۔

مور ہندوؤں کا مقدس پرندہ ہے اس لئے ان کے احساسات کا پاس کرتے ہوئے اس کے شکار سے پرہیز کیا جاتا تھا تقدس تو ایک طرف اتنی خوبصورت چیز پر بندوق اٹھانے کو جی بھی نہیں چاہتا تھا۔ مور کی مادہ البتہ خوبصورت نہیں ہوتی اس لئے لوگ اس پر گولی ضرور چلا لیا کرتے تھے۔ یہ پرندہ سست ہونے کے علاوہ بزدل بھی ہوتا ہے۔ اگر دس بیس مورنیوں پر چھ نمبر کا فائر کیا جاتا تو پانچ سات تو وہیں ڈھیر ہو جاتی تھیں اور باقی بہت سی دو چار گز اڑنے کے بعد ہمت ہار کر زمین پر لوٹنے لگتی تھیں، معائنہ کرنے پر معلوم ہوتا کہ انہیں صرف ایک ہی چھرا لگا تھا۔

جوناگڑھ کا سب سے اہم شکاری جانور ببر شیر تھا۔ غیر شکاری جانوروں میں وہاں کے لنگور کا ذکر لازمی ہے۔ اس کالے منہ والے بندر کو بھی ہندو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لئے وہ بے خوف وخطر ہر طرف گھومتا رہتا تھا۔ مندوروں کے آس پاس تو ان کا شمار ہی ناممکن تھا۔ لنگور الگ الگ ٹولوں میں بٹ کر رہتے ہیں اور ہر ٹولے کی سربراہی اس کا سب سے توانا نر کرتا ہے اگر ایک ٹولے کا نر دوسرے کی کسی مادہ کو ورغلانے کی کوشش کرے تو بڑی خوفناک جنگ چھڑ جاتی ہے۔ کہتے ہیں یہ صرف لنگور ہی ہے جسے خالص سلاجیت نصیب ہوتی ہے کیوں کے اونچے پہاڑوں کے جن سیاہ پتھروں میں سے یہ مادہ رستا ہے وہاں تک صرف وہی پہنچ سکتا ہے۔ لنگور کی طاقت کا اندازہ اس کا کرتب دیکھ کر ہی ہوسکتا ہے۔ اسے لمبی لمبی چھلانگیں لگانے کا بہت شوق ہے اور بارہ چودہ فٹ کی چھلانگ تو اس کے لئے کوئی بڑی بات ہی نہیں ہے سب سے حیران کن چیز یہ ہے کہ اگر آپ ایک درخت سے دوسرے درخت کی طرف چھلانگ لگتے دیکھ کر اسے ڈرا دیں تو وہ فوراً ہوا میں پلٹا کھا کر پہلے درخت پر واپس آجاتا ہے۔ اس حرکت میں اس کی دم بہت مدد دیتی ہے۔

وہاں کا ایک اور خاص جانور بلکہ پرندہ چمگادڑ تھا۔ یہ ہمارے یہاں کے چمگادڑوں سے جتنا بڑا تھا اتنا ہی اڑنے میں سست رفتار بالکل، یوں معلوم ہوتا تھا کہ بلیاں پر لگائے ہوئے ہوا میں تیرتی پھر رہی ہیں۔ مغرب کے وقت یہ چمگادڑ پناہ گاہوں میں سے نکل کر ہر طرف پھڑ پھڑاتے پھرتے اور 22 بور کی چھوٹی رائفل سے نشانہ پکا کرنے کے کام آتے تھے۔

عام طور پر نوابوں اور راجاؤں کو راگ رنگ کا دلدادہ سمجھا جاتا ہے مگر جوناگڑھ کے نواب صاحب ان مشغلوں سے کچھ دور ہی رہے تھے۔ یہ نہیں کہ وہ ان چیزوں کے خلاف تھے مگر انھوں نے کبھی اس سلسلے میں کسی والہانہ شوق کا اظہار نہیں کیا۔ عام تقریبات میں رقص وسرور کی محفلوں پر کوئی پابندی نہیں تھی اور خود نواب صاحب کی سلور جوبلی پر دور دور کے فنکاروں کو بلوایا گیا تھا ولی عہد کی شادی کے موقع پر بھی کئی روز تک گانے بجانے کی محفلیں سجتی رہتی تھیں۔

ریاست کے عوام تو موسیقی کے رسیا تھے اور چوٹی کے فنکاروں کو اکثر بلاتے رہتے تھے۔ تاجر طبقہ اختری بائی فیض آبادی کا گرویدہ تھا اور جاگیرداروں میں فرحت جہاں بہوزیادہ مقبول تھی۔ بلند تر ذوق رکھنے والے استاد فیاض خاں کو مدعو کیا کرتے تھے۔ قوالی کی محفلیں بھی اکثر ہوتی تھیں اور عظیم پریم راگی کے چاہنے والے تو انھیں بار بار دعوتیں دیا کرتے تھے۔ عظیم پریم راگی کے علاوہ عبدالرحمٰن کانچ والا بھی وہاں کے ہر دلعزیز قوال تھے۔

مزاحیہ اداکار نور محمد چارلی نواب صاحب کا دل پسند ایکٹر تھا اور وہ اسے اپنا ذاتی مہمان بنا کر بلایا کرتے تھے۔ ریاست میں قیام کے دوران چارلی کو کھانے پر نواب صاحب کا ساتھ ضرور دینا پڑتا تھا۔

جہاں تک کھیلوں کا تعلق ہے جوناگڑھ میں کرکٹ کو اولیت حاصل تھی۔ ریاست کے دراز قد اور وجیہہ ولی عہد خود بہترین کھلاڑی تھے اور تیز باؤلنگ کے ماہر۔ ان کے چھوٹے بھائی گو قد میں کہیں کم تھے مگر اس آسانی سے چھکا مارتے کہ دیکھنے والے حیرت میں پڑ جاتے۔ کرکٹ کا میچ تقریباً ہر اتوار کو ہوتا تھا اور اسے دیکھنے کے لیے پورا شاہی خاندان پہنچ جاتا تھا۔ بیگمات کے لئے علیحدہ خیمے نصب کرائے جاتے تھے مگر نواب صاحب اپنی کار میں بیٹھے بیٹھے پورا دن گزار دیتے۔ ان کے باقی عزیز واقارب بڑے بڑے چاندی کے پاندان خوبصورت حقے اور خدمت گاروں کی فوج لے کر "پیولین" میں پہنچ جاتے تھے۔

آج کل کے نامور کرکٹر حنیف محمد برادران..... جوناگڑھ ہی کے رہنے والے ہیں۔ وزیر اور رئیس اس زمانے میں بھی کھیلا کرتے تھے مگر حنیف ابھی کم سن تھے۔ مشتاق محمد اور صادق محمد تو شاید گھٹنوں چلنا بھی نہیں سیکھے تھے۔ ان کا اور بھائی بھی تھا..... حمید..... جو اللہ کو پیارا ہو گیا اگر زندہ رہتا تو شاید ایک نامور باؤلر کی حیثیت سے مشہور ہوتا۔

جوناگڑھ میں مسلمانوں کے لیے ڈگری تک کی تعلیم بالکل مفت تھی یہ رعایت صرف ریاست کے مسلمانوں تک محدود نہیں تھی، اس میں پورے برصغیر کے مسلمان طلباء شامل تھے۔ وہاں کا بہاءالدین کالج بمبئی یونیورسٹی سے منسلک تھا اور ملک کے بہترین تعلیمی اداروں میں شمار ہوتا تھا۔ دور دور سے مسلمان لڑکے وہاں تعلیم حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ غیر مسلم طلباء کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان میں سے 25 فیصد کی فیس بھی معاف کر دی جاتی تھی۔

جین مذہب والوں کا سب سے مقدس مقام جوناگڑھ میں تھا۔ گرنار کی چار ہزار فٹ بلند ترین چوٹی پر ان کے انتہائی خوبصورت مندر بنے ہوئے تھے۔ جینیوں کے کچھ مندر قریب کی ہندو ریاست "پالی تانہ" میں بھی تھے مگر یاتریوں کو جو سہولتیں جوناگڑھ کی مسلم ریاست نے مہیا کر رکھی تھیں وہ اس ہندو ریاست میں ناپید تھیں۔ نواب صاحب ہر مذہب کے لوگوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتے تھے بلکہ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ہوتا تو امکان یہی ہوتا کہ وہ ہندوؤں کی طرف داری کریں گے۔ ریاست میں

ہندوؤں کے مقدس مقام ہر طرف بکھرے ہوئے تھے ان میں سے پراچی کنڈ، پاربتی کی مورتیاں، گھاٹ پاٹ اور کھادا..... مچھیروں کا مندر قابل ذکر ہیں۔ مچھیروں کا یہ مندر ویراول کے ساحل سے ہٹ کر ایک سمندر کی چٹان پر بنا ہوا تھا اور ہر وقت اونچی اونچی لہروں کی لپیٹ میں رہتا تھا بعض مقامات پر ایسے بھی مندر تھے جو صرف "لنگ" کی پوجا کے لئے مخصوص تھے۔

سومناتھ کا مندر تو کسی تعارف کا محتاج نہیں، یہ بھی جوناگڑھ میں ہی تھا، ویراول سے کوئی آٹھ میل دور "پٹن" کے تاریخی مقام پر یہ مندر سمندر کے کنارے ایک کھنڈر کی صورت میں کھڑا تھا۔ اس کی دیواریں مورتیوں سے اٹی ہوئی تھیں مگر آفرین ہے محمود غزنوی کو کہ اس میں سے کوئی بھی سالم حالت میں نہیں تھی۔ اندر کا حصہ جہاں وہ مشہور بت ہوا کرتا تھا ان دنوں خالی پڑا تھا البتہ ایک بہت بڑا گڑھا موجود تھا جس سے پتا چلتا تھا کہ یہی اس کا استھان تھا۔ پٹن شہر سے باہر ایک بہت بڑا قبرستان تھا جہاں محمود غزنوی کی فوج کے شہداء دفن تھے۔ اس تاریخی جنگ میں کام آنے والے کچھ گھوڑوں کی قبریں بھی وہاں پر موجود تھیں۔ ان پر گھوڑے کا سر بنا ہوا تھا تا کہ پہچان ہو سکے۔ پٹن کے قریب ویراول جانے والی سڑک کے کنارے ایک مزار تھا جس میں دو بھائی سیّد جعفر اور سیّد مظفر دفن تھے۔ روایت کے مطابق سومناتھ پر چڑھائی کے دوران یہ دونوں بھائی ہاتھیوں پر سوار ہو کر سب سے آگے تھے اور علم بلند کر کے فوجیوں کا حوصلہ بڑھاتے رہے تھے۔ اس لڑائی میں انہیں شہادت نصیب ہوئی تھی۔ مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ آج بھی سڑک سے گزرتے ہوئے ہاتھی، مزار کے قریب پہنچ کر رک جاتے ہیں اور تعظیماً سر جھکانے کے بعد آگے بڑھتے ہیں۔

جس طرح ہندوؤں کے لیے گرنار کا پہاڑ مقدس تھا اسی طرح مسلمانوں کے لئے داتار کی پہاڑی قابلِ احترام تھی۔ یہ پہاڑی گرنار کے قریب ہی تھی مگر بلندی میں اس سے تقریباً ایک ہزار فٹ کم اس پہاڑی پر چڑھنے کے لئے پکی سڑک بنی ہوئی تھی جس پر کار آسانی سے جا سکتی تھی۔ یہ سڑک چوٹی سے کوئی تین سو فٹ نیچے تک جاتی تھی اور یہیں وہ غار تھی جس میں میراں شاہ نامی ایک بزرگ نے چلہ کاٹا تھا۔ پہاڑی کے دامن میں ان کا مزار بھی موجود تھا جہاں ہر وقت زائروں کا ہجوم رہتا تھا یہاں تک کہ کئی ایک ہندو بھی حاضری دیتے تھے۔ خود نواب صاحب باقاعدگی سے ہر جمعرات کو اس درگاہ پر سلامی کے لئے پہنچا کرتے تھے۔

ریاست میں تمام اسلامی تہوار حکومت کی نگرانی میں منائے جاتے تھے۔ محرم میں جب تعزیوں اور علم کے جلوس نکلتے تو شاہی خاندان کے افراد بھی حاضری دیتے اور یومِ عاشورہ کے روز نواب صاحب کی موجودگی میں دس قیدیوں کو رہا کیا جاتا تھا۔ عیدوں کی نمازوں میں نواب صاحب اور شہزادے ہمیشہ شرکت کرتے تھے۔ نماز کے بعد نواب صاحب خود پیش امام کو دستار اور پوشاک پیش کیا کرتے تھے۔ عید کے روز نماز کے بعد لوگ نواب صاحب کے محل پر انہیں مبارک باد دینے پہنچا کرتے تھے۔ اس موقع پر جاگیردار اور امیر وغیرہ انہیں نذرانے پیش کرتے تھے۔ نذرانہ پیش کرنے کا انداز بھی خاص تھا۔ پہلے تو ہتھیلی پر ایک عمدہ رومال رکھا جاتا اور پھر اس کے اوپر سونے کا ایک سکہ (ان دنوں برطانوی گنی ہر جگہ دستیاب تھی) نواب صاحب کے قریب پہنچ کر نذرانہ پیش کرنے والا جب ہتھیلی تعظیم سے ان کی طرف بڑھاتا تو وہ اسے چھو دیتے اس کے بعد وہ اپنا ہاتھ پلٹ کر سکہ قریب رکھے ہوئے بڑے سے طباق میں گرا دیتا اور آداب بجا لا کر پیچھے ہٹ جاتا۔ اتنے میں اے ڈی سی وغیرہ آگے بڑھ کر نذرانہ پیش کرنے والے پر عرقِ گلاب چھڑکتے اور عطر میں ڈوبا ہوا پنبہ پیش کرتے جسے وہ احترام سے کان کے اوپر والے حصے میں اڑس لیتا اس کے ساتھ پان بھی ضرور کھلایا جاتا تھا یہ تمام کاروائی ویسے ریاست کے عام رواج میں شامل تھی اور جہاں بھی عید ملنے جایا جاتا وہاں اسی طرح عرقِ گلاب چھڑکا جاتا اور عطر کا پنبہ پیش ہوتا۔

رمضان میں روزہ رکھنا قانوناً لازمی تھا اور خلاف ورزی کرنے والے کو پچاس روپے جرمانے کی سزا کاٹنی پڑتی تھی پچاس روپے کی رقم پر ہنسیے مت، یہ تو وہاں کے تھانیدار کی ماہانہ تنخواہ سے بھی زیادہ تھی۔ جوناگڑھ میں زرعی پیداوار کی کثرت بلکہ افراط کے علاوہ وہاں پر کئی ایک صنعتی کارخانے بھی تھے۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس چھوٹی سی ریاست میں نوے کے قریب تو تیل نکالنے کی ملیں تھیں، مونگ پھلی اور تل وہاں وسیع پیمانے پر کاشت کئے جاتے تھے اس لئے ہر مل کو اس کی خوراک بہ آسانی مل جاتی تھی وہاں کے لوگ کھاتے بھی تیل ہی تھے۔ خالص گھی چاہے کتنا ہی سستا کیوں نہ ہو۔ تیل کے علاوہ ماچس بنانے کے کارخانے بھی تھے جو اتنا زیادہ مال نکالتے اور اتنا سستے داموں فروخت کرتے کہ انگریز حاکموں کو ان پر پابندی عائد کرنی پڑ گئی۔ انہیں ڈر تھا کہ یہ کارخانے ملک کی تمام منڈیوں پر چھا جائیں گے اس لئے ریاست کی صرف یہی ایک چیز تھی جس کی درآمد انھوں نے اپنے علاقے میں ممنوع قرار دے رکھی تھی۔ "ویرمگام" کے ریلوے اسٹیشن سے برطانوی راج شروع ہو جاتا تھا اور وہاں پر ان کی کسٹم چوکی بھی تھی۔ اس کا عملہ جوناگڑھ کی طرف سے آنے والی ہر گاڑی کے تمام مسافروں کی بڑی تندہی سے تلاشی لیتا اور اگر کسی کے پاس دو سے..... زائد ماچس نکل آتے تو انہیں فوراً ضبط کر لیتا تھا۔

جہاز سازی ریاست کی ایک اور اہم صنعت تھی۔ برما سے درآمد کی جانے والی لکڑی کے علاوہ ریاست کا اپنا جنگل اس کام کے لئے بڑی عمدہ لکڑی فراہم کرتا تھا۔ یہ کارخانے ویراول کے قریب تھے اور ان میں بڑی بڑی سمندری کشتیاں تیار کر کے خلیج کی ریاستوں میں فروخت کی جاتی تھیں۔

جوناگڑھ میں شاہی خاندان سمیت تمام لوگ گندم کی بجائے باجرے کی روٹی کھاتے تھے ان کے دسترخوان پر کبھی کبھی گندم کی روٹی تو نظر آ جاتی تھی مگر اس کی حیثیت محض آرائشی سی ہوتی۔ اس معاملے میں ایک اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ کھانے کی ابتدا کسی میٹھی چیز سے کیا کرتے تھے اس لئے چاول یا سالن لانے سے پہلے "لاڈوا" یعنی

لڈو رکھ دیئے جاتے تھے۔

اس وقت تک مہنگائی نے ہمارے ملک میں زور نہیں پکڑا تھا اور تمام اشیائے خوردنی بہت کم نرخوں میں بکا کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر باجرہ ڈیڑھ روپے من تھا، خالص گھی ڈیڑھ روپے سیر اور دودھ دو آنے، پیاز اور مرچیں تو ریاست میں اتنی پیدا ہوتی تھیں کہ دور دور سے بیوپاری خریدنے پہنچ جاتے تھے اس بیوپار میں منافع کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جب جوناگڑھ میں پیاز چھ آنے من بکتی تھی اس وقت کراچی اور لاہور میں ان کا بھاؤ سات روپے من ہوتا تھا اور گھوڑے کی پیٹھ سے اونچی شاخوں تک پہنچ کر پکے ہوئے شریفے توڑ کر اس کا صحیح مزہ معلوم کرتے تھے۔ اس علاقے کا ایک مخصوص پھل ہے جس کا ذکر شاید ہی کسی کتاب میں کتاب میں ملے اسے "تلیہ" کہتے تھے۔ صورت شکل میں یہ بالکل خربوزے کی طرح تھا مگر پیدا ہوتا تھا سردی میں اس کی مٹھاس اور مہک بیان سے باہر ہے جوناگڑھ میں اس کی کاشت زیادہ تر باوندی کے کنارے کی جاتی تھی۔

گرنار اور داتار کی پہاڑیوں کے درمیان ایک بہت بڑا باغ تھا جو دو ویشور باغ کہلاتا تھا اس کے درختوں کا سلسلہ پہاڑیوں کی ڈھلانوں تک چلا جاتا تھا۔ باغ کے درمیان سے ایک چھوٹی سی ندی بھی گزرتی تھی جس نے اس کی زینت اور جاذبیت میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا۔ پکنک منانے والوں کے لئے یہاں پر خوبصورت ریسٹ ہاؤس بھی موجود تھے۔ اس باغ کے آم خاص طور پر قابل تعریف تھے۔ ایک مرتبہ بمبئی کی آل انڈیا نمائش میں چند نمونے بھجوائے گئے تو انہیں اول انعام مل گیا۔ شام ڈھلنے کے بعد اس باغ میں جنگلی جانور بھی دکھائی دیا کرتے تھے۔ وہ ٹہلتے ہوئے ندی تک آتے اور اطمینان سے پانی پی کر اپنی پناہ گاہوں کی طرف لوٹ جاتے تھے۔

داتار کی پہاڑی کے دامن میں ایک بہت ہی خوبصورت مقام ولنگڈن ڈیم کے نام سے مشہور تھا۔ برسات کے موسم میں پہاڑی نالوں کا پانی کالوا ندی میں آ کر گرا کرتا تھا۔ یہ ندی شہر کے ساتھ ساتھ بہتی تھی اور وافر پانی کبھی کبھی بے قابو ہو کر آس پاس کے علاقوں کو نقصان پہنچاتا تھا۔ حکومت نے اس خطرے کا تدارک کرنے کے لئے ایک اونچا بند بندھوا کر اس پانی کو جھیل میں قید کر لیا تھا اور ساتھ ہی ایک چھوٹا سا باغ بھی لگوا دیا تھا۔ یہ بند کافی چوڑا تھا اور اس کے اوپر کار کیلئے پکی سڑک بنی ہوئی تھی۔ سڑک سے چند فٹ نیچے بند میں بڑے بڑے شگاف رکھے گئے تھے تا کہ جھیل بھر جانے کے بعد فالتو پانی ان میں سے گزر کر کالوا ندی میں جا گرے۔ جب بارشوں کا دور ہوتا اور پانی ان شگافوں میں سے گزر کر ایک عظیم چمکدار چادر کی صورت میں بلندی سے نیچے گر کر جھاگ اڑاتا تو پورا شہر یہ دلفریب منظر دیکھنے وہاں پہنچ جاتا۔ اس جھیل میں شکار کے لئے مچھلیاں بھی پالی گئی تھیں اور سیر کے لئے دو تیز رفتار موٹر کشتیاں بھی موجود رہتی تھیں۔ جھیل میں جمع کئے ہوئے پانی کا ایک اور فائدہ یہ تھا کہ اسے مشینوں کے ذریعے صاف کر کے شہر کی ضروریات پوری کی جاتی تھیں۔

میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہاں پر رعایا بڑے آرام اور خوشحالی کی زندگی بسر کیا کرتی تھی۔ ریاست میں عدلیہ پوری طرح آزاد تھی اور ہائی کورٹ کے ہر فیصلے کو بلا چون و چرا تسلیم کیا جاتا تھا۔

جوناگڑھ میں حالات کی تبدیلی

نواب مہابت خانجی کی کامیاب قیادت نے جوناگڑھ کو کامیابی کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا تھا۔ ان کے تدبر اور ان کے اپنی عوام سے اخلاص پر دوست ہو یا دشمن سب انہیں داد دیتے تھے۔ وہ بعض معاملات میں جہاں بہت سخت تھے وہاں بعض معاملات میں اتنے فراخ دل تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد آزادی ہند کی تحریک نے زور پکڑا۔ نواب محمد مہابت خان بدلتے ہوئے حالات کا بغور مطالعہ کرتے رہے۔ قلیل عرصے میں ہندوستان کی سیاست نے کئی رنگ بدلے۔ کانگریس پورے ہندوستان پر حکومت کرنے کا خواب دیکھنے لگی لیکن تمام تر مخالفتوں کے باوجود پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

تقسیم ہند کے وقت ملک میں کل پانچ سو چھوٹی بڑی دیسی ریاستیں تھیں جو برصغیر کے ایک تہائی حصے پر پھیلی ہوئی تھیں اور ملک کی ایک چوتھائی آبادی اس میں شامل تھی۔ ان میں کشمیر، حیدرآباد، میسور، جوناگڑھ جیسی ریاستیں برطانوی ہند کے کسی بھی صوبے کے برابر آبادی اور رقبہ رکھتی تھیں۔ 572 ریاست میں سے تقریباً تین چوتھائی ریاستیں بہت چھوٹی تھیں اور ان کے حکمران محدود قسم کے اندرونی اختیارات رکھتے تھے۔ باقی ماندہ 140 ریاستیں کافی بڑی تھیں اور ان کے حکمران تاج برطانیہ کے ساتھ مختلف معاہدوں سے منسلک تھے۔ ان معاہدوں کی رو سے دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کی ذمہ داریاں حکومت برطانیہ کے ذمہ تھیں۔ باقی تمام معاملات میں یہ حکمران مکمل طور پر خود مختار ہوتے تھے۔ ان بڑی ریاستوں میں برطانوی ریذیڈنٹ ہوتے تھے۔ چھوٹی ریاستوں کو مختلف گروپوں میں اکٹھا کر کے ان کی ایجنسی بنا دی جاتی تھی اور ان پر پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا جاتا تھا۔ ریلوے، ڈاک، ٹیلی گراف اور کرنسی وغیرہ کے امور ریاستوں کے اور حکومت برطانیہ کے مابین تعلقات کو اور بھی گہرا اور مستحکم کرتے تھے۔ چند قابل تعریف حکمرانوں کے سوا

تمام حکمرانوں کی بہت بڑی اکثریت عیش ونشاط کی دلدادہ، شہرت پسند اور ظالم تھی۔ وہ مختلف ذریعوں سے رعایا کا استحصال اور ان پر ظلم کرتے تھے۔ ان حکمرانوں سے رعایا کو کوئی انسیت نہیں تھی۔ ریاستوں کے اندرونی معاملات میں حکومت برطانیہ کوئی مداخلت نہیں کرتی تھی۔ صرف وسیع پیمانے پر ہونے والی بدامنی اور لاقانونیت کی صورت میں وہ دخل اندازی کرتی تھی۔ ریاست جوناگڑھ میں کوئی ایسا واقع پیش نہیں آیا جس کے باعث حکومت تاجدار برٹش کے کرتا دھرتا جوناگڑھ کی حکومت کے کام میں مداخلت کر کے اس کے حکمران نواب مہابت خانجی سے کسی قسم کی باز پرس کرتے۔

تقسیم ہند کے وقت جوں جوں حالات تبدیل ہو رہے تھے توں توں نواب صاحب متفکر رہنے لگے تھے۔ سر شاہنواز بھٹو جنہوں نے سابق دیوان خان بہادر عبدالقادر محمد حسین کی بیماری کے باعث دیوان کا عہدہ سنبھال لیا تھا۔ وہ نواب صاحب کی ہمت بڑھاتے رہے اور انہیں حوصلہ دیتے رہے۔ 20 فروری 1947ء کو اعلانِ آزادی کے ساتھ ہی جوناگڑھ میں حالات تبدیل ہونا شروع ہو گئے۔ ریاست کو ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کرنا تھا اور رعایا قدرتی طور پر اس اہم اعلان کا انتظار کرنے لگی۔ ریاست میں ہندوؤں کی اکثریت تو تھی، مگر وہ لوگ نواب صاحب کی فراخدلانہ پالیسی کی وجہ سے بڑے آرام اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہاں کے جاگیردار (جنہیں دربار کہا جاتا تھا) مسلمان تھے اور جوناگڑھ ملک کے بڑے بڑے مسلمان تاجروں کا گھر تھا حکومت کو یہ تمام باتیں مدِنظر رکھ کر قدم اٹھانا تھا۔ اس لئے اعلیٰ سطح پر غور وخوض ہوتا رہا۔ اسی زمانے میں کچھ لوگوں نے شر پھیلانا اور رعایا کو ہندوستان سے الحاق کے لئے مہم چلانے پر اُکسانا شروع کر دیا۔ اس تحریک کے پیچھے وہ ہندو تھے، جو کبھی جوناگڑھ کے باشندے تھے، مگر ایک مدت سے بمبئی، احمد آباد اور دیگر علاقوں میں آباد ہو چکے تھے۔ یکایک انہیں اپنے وطن کی یاد ستانے لگی اور انھوں نے جوناگڑھ کی حکومت کے خلاف زہر آلود پروپیگنڈا شروع کر دیا جسے گجراتی زبان کے اخباروں نے خوب خوب ابھارا۔

اسی دوران جوناگڑھ کے نمائندے دہلی بھیجے گئے تاکہ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور دیگر زعما سے ملیں اور ان کے ارادوں کا اندازہ لگائیں۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے جو کچھ دیکھا اور جو کچھ سنا اس سے کسی قسم کے شک کی گنجائش باقی نہ رہی، مرکزی حکومت کا رویہ صاف بتا رہا تھا کہ جوناگڑھ چاہے ہندوستان سے الحاق کرے یا پاکستان سے وہ لوگ اس کا جو وجود مٹانے کے درپے ہیں۔ رعایا کا تحفظ جوناگڑھ کی حکومت کا اولین فرض تھا۔ بالخصوص وہ کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ مسلمان آبادی کو دشمنوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے اس لئے اعلیٰ سطح پر مشورے جاری رہے۔ ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے 2 جون 1947ء کو تقسیم ہند کے منصوبے کا باقاعدہ اعلان کیا۔ اس منصوبے کے ساتھ 14 اگست 1947ء سے برطانوی ہند کے ماتحت علاقوں کی دو حصوں میں تقسیم سے دو خودمختار حکومتیں پاکستان اور بھارت وجود میں آنے والی تھیں۔

اس اعلانیہ کے آخر میں دیسی ریاستوں کے بارے میں حسب ذیل الفاظ میں ذکر کیا گیا تھا۔ "ریاستوں کے ماضی میں حکومت برطانیہ کے سپرد کئے گئے تمام اختیارات ریاستوں کو واپس مل جائیں گے۔ ریاستوں، حکومت برطانیہ اور تاج برطانیہ کے درمیان ہونے والے تمام معاہدات ختم ہو جائیں گے۔ اس سے پیدا ہونے والے خلا کو پر کرنے کے لئے ریاست ہندوستان میں برطانوی ہند کی وارث دو میں سے کسی بھی حکومت اور حکومتوں کے ساتھ فیڈرل اصولوں پر تعلقات قائم کر سکے گی اور اس میں ناکامی کی صورت میں وہ ان دونوں میں سے ایک یا دونوں خودمختار حکومتوں کے ساتھ خصوصی قسم کا سیاسی بندوبست کر سکے گی۔"

اس تاریخی اعلان کے دوسرے روز لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک اخباری کانفرنس میں ریاستوں کے بارے میں حسب ذیل مزید وضاحت کی۔ "ہندوستانی ریاستیں حکومت برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کرتے وقت آزاد ریاستیں تھیں۔ معاہدے کے خاتمے کے بعد وہ پھر سے اپنی آزادانہ حیثیت حاصل کر لیں گی اور پاکستان یا بھارت کسی بھی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہونے کے لئے یا کوئی اور بندوبست کرنے کے لئے آزاد رہیں گی۔" اس اعلان کے ہوتے ہی ہندوؤں نے ریاستوں پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ دونوں خودمختار حکومتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنا لازمی ہے۔ بھارت نے اپنے ساتھ الحاق کی خواہش رکھنے والی دیسی ریاستوں کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ یہ الحاق صرف تین شعبوں یعنی امور خارجہ، مواصلات اور کسٹم تک ہی محدود رہے گا اور حکمرانی کے اپنے اختیارات میں کسی قسم کی کوئی کٹوتی نہیں کی جائے گی۔

26 جولائی 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے الحاق کے بارے میں وضاحت کرنے کے لئے اور حکمرانوں پر دباؤ ڈالنے کے لئے دہلی میں حکمرانوں اور ان کے نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد کی، جس میں انہوں نے کہا کہ ریاستیں کسی بھی حکومت کے ساتھ الحاق کرنے کے سلسلے میں مکمل آزادی رکھتی ہیں لیکن اس سلسلے میں وہ جغرافیائی حالات کو نظر انداز نہیں کر سکتیں۔ آزادی کے وقت پاکستانی علاقے سے 17 ریاستیں منسلک تھیں جس میں جموں کشمیر جیسی رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑی ریاست بھی شامل تھی اور ان ریاستوں نے پاکستان بننے تک اپنا الحاق نہیں کیا تھا۔

پاکستان کے خلاف بھارت نے اپنے علاقے سے منسلک ریاستوں کو اپنے ساتھ الحاق کے لئے مجبور کرنے کے لئے "چانکیہ" کے سیاسی اصولوں پر بھرپور عمل کیا۔ یہ اصول "سام" یعنی دلائل سے کسی کو سمجھانا "دام" کسی کو رشوت اور پیسہ دے کر اپنا ہم خیال بنانا "بھید" یعنی کسی کے خفیہ راز کو فاش کرنے کی دھمکی دینا اور "دنڈ" یعنی سخت سزا کی دھمکی دینے پر مبنی تھے۔ ان کوششوں میں بھارتی ریاستی امور کے وزیر سردار ولبھ بھائی پٹیل اور سیکریٹری مسٹر وی پی مینن نے اہم کردار ادا کیا اور ان کو گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی

پوری اور بھارتی حکومت کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی ۔نتیجتاً بھارت کے یوم آزادی 15 اگست 1947 ءتک سوائے چند ایک کے تمام ریاستیں بھارت کے ساتھ الحاق کر چکی تھیں ۔

نواب مہابت خان بھارت کے اس طرزِ عمل کو بغور دیکھ رہے تھے ۔انہیں بھی یقین ہوگیا کہ نہ صرف ریاست بلکہ تمام کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ ریاست جوناگڑھ پاکستان سے الحاق کرے، تاہم نواب صاحب نے ضروری سمجھا کہ عوام کے نمائندوں سے اس بارے میں مشورہ کیا جائے ۔انہوں نے بھی اتفاق رائے سے فیصلہ کیا کہ ریاست اور عوام کی بھلائی اسی میں ہے کہ ریاست پاکستان سے الحاق کرے ۔چوہدری محمد ظفر اللہ خان سے قانونی مشورہ بھی کیا گیا، ہر پہلو پر غور وخوص کرنے کے بعد ہی یہی مناسب سمجھا گیا کہ ریاست جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق کر دیا جائے ۔اس کے بعد نواب صاحب نے سر شاہ نواز بھٹو کو قائداعظم سے مشورہ لینے کے لئے نئی دہلی بھیجا، جہاں انہوں نے چند اہم معاملات پر قائداعظم سے ہدایات حاصل کیں ۔قائداعظم نے ان کو مزید یقین دہانی کرائی ۔"پاکستان کسی طاقت کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ آپ کو فاقہ کشی پر مجبور کرے یا آپ کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنائے ۔ہم ضرور آپ کی امداد کریں گے ۔ویراول کی بندرگاہ کراچی سے زیادہ دور نہیں ۔میرا یہ مشورہ ہے کہ آپ 15 اگست تک ہر معاملے سے علیحدگی اختیار کریں اور انتظار کریں اور اس کے بعد ہی آخری فیصلہ کیا جائے ۔"

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا جھکاؤ چونکہ بھارتی لیڈروں کی طرف تھا اس لئے اس کی کوشش تھی کہ ریاست "جوناگڑھ "بھارت کے ساتھ الحاق کا اعلان کردے، 26 جولائی 1947 ءکو دیسی ریاستوں کے حکمرانوں اور ان کے نمائندوں کی جو میٹنگ ہوئی تھی اس میٹنگ کے لئے جوناگڑھ کے وفد کے سربراہ دیوان عبدالقادر کے بھائی اور نواب کے آئینی مشیر خان بہادر نبی بخش تھے ۔اس وفد کے ممبران وزیر قانون عبدالمجید، وزیر محصول شیوت رائے مانکڑ اور سابق وزیر تعلیم اسماعیل حاجی محمد ابراہانی شامل تھے ۔دہلی میں تمام ریاستوں کے نمائندگان کی لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور ہند کے ریاستی امور کے سیکریٹری وی پی مینن کے علاوہ ریاستی امور کے وزیر سردار ولبھ بھائی پٹیل سے بھی جداگانہ ملاقاتیں کرائی گئیں ۔سردار پٹیل ان پر انتہائی سخت لہجے میں بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کے لئے دباؤ ڈالتے رہے ۔خان بہادر نبی بخش سردار پٹیل کے سخت اور دھواں دھار لہجے سے گھبرا گئے اور جوناگڑھ پہنچ کر نواب صاحب کو بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کا مشورہ دیا مگر ریاستی کابینہ کے ارکان کی اکثریت ان سے متفق نہ ہوئی ۔خان بہادر نبی بخش کو اس کے فوراً بعد ان کے عہدے سے سبکدوش کر دیا گیا اور ان کی جگہ جناب اسماعیل ابراہانی کا تقرر کیا گیا ۔اسماعیل ابراہانی نے 11 اگست 1947 ءکو کراچی جا کر قائداعظم سے ملاقات کی ۔ان کی واپسی کے فوراً بعد ریاست جوناگڑھ کی ایڈوائزری کونسل (مشاورتی کونسل) کی میٹنگ منعقد کی گئی ۔ابراہانی نے اس میٹنگ میں قائداعظم کے ساتھ ہونے والی گفتگو کی تفصیلات بتائیں ۔اس کے بعد کونسل نے اتفاق رائے سے جوناگڑھ کا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کیا ۔

جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق، تاریخی فیصلہ

14 اگست اور 15 اگست 1947 ءکی درمیانی شب کو پاکستان معرض وجود میں آیا، اس کے پہلے ہی روز یعنی 15 اگست جمعہ کے روز نواب مہابت خانجی نے اپنے آئینی اختیارات اور کونسل کی متفقہ رائے کے مطابق ریاست جوناگڑھ کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر باقاعدہ دستخط کر دیئے ۔اس کے دوسرے روز یعنی 16 اگست 1947 ءکو جاری کئے گئے ریاست جوناگڑھ کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا ۔

یہ اعلان مندرجہ ذیل الفاظ پر مشتمل تھا۔

" گزشتہ کچھ عرصے سے حکومت جوناگڑھ کے سامنے یہ پیچیدہ اور سنگین مسئلہ غور وخوض کا مرکز بنا ہوا تھا کہ ریاست کا الحاق بھارت سے کیا جائے یا پاکستان سے، حکومت نے اس مسئلہ کے ہر پہلو پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچ چکی ہے کہ آخری فیصلہ کرتے وقت یہ بات مدِنظر رکھنی چاہیے کہ ریاست کے عوام کی خوشحالی اور فلاح کس بات پر منحصر ہے اور ریاست کی انفرادیت اور سالمیت کس طرح برقرار رکھی جا سکتی ہے ۔مسئلے کا ہر پہلو غور وفکر کرنے کے بعد ریاست نے یہ فیصلہ کیا کہ پاکستان سے الحاق کر لیا جائے ۔چنانچہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ریاست جوناگڑھ پاکستان کے ساتھ ملحق ہوگئی ہے ۔حکومت کو امید ہے کہ رعایا اس فیصلے کا دل وجان سے خیر مقدم کرے گی ۔"

ریاست جوناگڑھ میں اس وقت جو ماحول تھا، اس میں کانگریسی اخبارات کے اکسانے پر خون خرابے کا اندیشہ تھا چنانچہ جوناگڑھ کے مسلمانوں کی واحد سیاسی تنظیم "جمعیت المسلمین" نے آزادی کے دن مسلمانوں کو کسی قسم کا کوئی جلوس یا جلسہ نہ کرنے کی ہدایت کی ۔صرف چراغاں اور دعاؤں کی اجازت دی گئی ۔چراغاں اور سجاوٹ میں کتیانہ سرفہرست رہا ہے ۔پاکستان سے الحاق کے فیصلے کا یہ بھی رخ تھا کہ کاٹھیاواڑ میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے ایک مرکز قائم کیا جائے ۔سر شاہ نواز بھٹو کے ایک خط سے

اس بات کا انکشاف ہوتا ہے جو انہوں نے قائداعظم کو لکھا تھا کہ :۔

" جونا گڑھ ہر چار اطراف سے ہندو ریاستوں میں گھرا ہوا ہے۔ پاکستان سے ہمارا تعلق بذریعہ سمندر قائم رہ سکتا ہے اگر بری اعتبار سے جغرافیائی پہلو پر غور کیا جائے تو جونا گڑھ، جام نگر اور ان سے متصلہ دوسری ریاستیں بھی پاکستان ہی کا ایک حصہ ہیں کیوں کہ عہد گزشتہ میں یہ علاقے حقیقتاً سندھ میں شامل تھے۔ ریاست میں اگر چہ مسلمان بیس فیصدی ہیں لیکن کاٹھیاواڑ کے سات لاکھ مسلمان بھی جونا گڑھ کے سبب ہمارے ساتھ رہیں گے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی قربانی بھی ہز ہائی نس نواب کے وقار، اعزاز، احترام وخدمت اور کاٹھیاواڑ میں اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کے لئے زیادہ نہیں ہے۔"

کانگریسی رہنماؤں کے کہنے سے کاٹھیاواڑ کے چند راجاؤں نے نواب جونا گڑھ کو ہندوستان سے الحاق کرنے کو لکھا لیکن نواب صاحب نے معقول جواب دے کر انہیں خاموش کر دیا۔ ریاست کے حکام کا خیال تھا کہ وہ داخلی امن وامان قائم رکھ سکیں گے۔ ان کے یہ وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ہندوستان کے سامراجی حاکم اس قانونی اور جائز اقدام کے خلاف جارحانہ کارروائیاں شروع کر دیں گے۔

کانگریسی حکمرانوں کی سازشیں

پاکستان سے الحاق کا اعلان ہوتے ہی کانگریسی حکمرانوں نے ریاست کے خلاف ایک باقاعدہ مہم تیار کرلی اور بلاتاخیر اس پر عمل شروع کر دیا۔ اس طرز عمل میں انہوں نے تمام اصول اور قانونی پوزیشن کو بالائے طاق رکھ دیا۔ سب سے اول اخباری پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ گو ریاست میں مطلق امن وامان تھا اور کسی بھی ہندو کے بال تک کو کسی نے چھوا نہیں تھا۔ تاہم اخباروں نے اور خاص کر بمبئی کے گجراتی اخباروں نے ہندوؤں پر ظلم وستم کے فرضی قصے شائع کرنا شروع کر دیئے اور اس کی آڑ میں نواب جونا گڑھ اور پاکستان کے حکام کو جی بھر کے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ پروپیگنڈے کی آڑ میں ہندوؤں کو منظم طور پر ریاست سے نکالنا شروع کر دیا۔ شروع شروع میں تو یہ سلسلہ چلا لیکن کامیاب نہ ہو سکا مسلم، ہندو فساد کرانے کی کوشش کی گئی لیکن اس قسم کے ہتھکنڈے زیادہ کارگر ثابت نہ ہو سکے۔ ریاست میں امن وامان بدستور قائم رہا۔ ایک طرف ریاست کے خلاف ہر قسم کی تحریک اور فوجیوں کی نقل وحرکت کا انتظام مکمل کیا گیا دوسری طرف حکومت پاکستان کو بذریعہ ہائی کمشنر خط روانہ کیا گیا کہ ریاست کا الحاق منظور نہ کیا جائے، کیوں کے ریاست کی اکثریت ہندو ہے۔ ریاست نوانگر کے جام صاحب دگ وجے سنگھ جی مہابت خانجی کے ساتھ دیرینہ قرابت داری رکھتے تھے اور خصوصی مواقع پر وہ جونا گڑھ کے شاہی خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے تسلیم کئے جاتے تھے۔ انہوں نے بھی الحاق کی مخالفت میں بیانات دینے شروع کر دیئے اور دہلی جا کر حکومت کے رہنماؤں سے صلح مشورے کئے انہوں نے حکومت بھارت کو ارسال کردہ ایک خط میں لکھا تھا کہ :۔

" جونا گڑھ کے پاکستان الحاق کی وجہ سے کاٹھیاواڑ کی ریاستوں اور عوام کے لئے بہت بڑا خطرہ درپیش ہے۔ وہ بہت بے چین ہو گئے ہیں اور ان کو جوابی اقدام سے روکنا مشکل ہو جائے گا لہٰذا حکومت بھارت سے فوری طور پر منوثر اقدامات کرنے کے لئے اصرار کیا جاتا ہے اگر حکومت بھارت ایسا نہیں کرے گی تو اس کے ساتھ ملحق ریاستوں میں اس کے وعدے پر عمل کرنے کی طاقت کے بارے میں شدید اندیشہ پیدا ہو جائے گا"۔

بھاؤنگر، موربی، گونڈل، پوربندر اور وانکانیر کے حکمرانوں نے بھی الحاق کی مخالفت میں بیانات جاری کئے۔ الحاق کے خلاف سب سے طاقت ور دباؤ خود حکومت بھارت کے وزیراعظم جواہر لعل نہرو اور گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی جانب سے ڈالا گیا۔ جونا گڑھ کے اعلان الحاق کے چند ہی روز بعد بھارت کے ریاستی امور کے سیکریٹری مسٹر وی پی مینن نے الحاق کی مخالفت کرتے ہوئے دو خط حکومت پاکستان کو ارسال کئے۔ پاکستان کی طرف سے ان کے کوئی جوابات نہیں دیئے گئے۔

12 ستمبر 1947ء کو پنڈت جواہر لعل نہرو نے لیاقت علی خان کے نام ایک تار بھیجا۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ آپ کے اخبارات کے ذریعے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ریاست جونا گڑھ پاکستان کے ساتھ الحاق کا ارادہ رکھتی ہے۔ جونا گڑھ کسی بھی طرح سے پاکستان کے ساتھ ملحق نہیں ہے۔ اس کی اسی فیصد آبادی ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ الحاق جونا گڑھ کے بارے میں جونا گڑھ اور حکومت بھارت کے زیرانتظام عوام کی رائے معلوم کرنی چاہیے جسے بھارت قبول کرلے گا۔ اگر جونا گڑھ کے نواب یہ معاملہ لوگوں کی رائے پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں اور لوگوں کی خواہش کو ٹھکرا کر جونا گڑھ کو پاکستان کا ایک حصہ بنانے کی کوشش کریں گے تو ہمیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ بھارت اسے تسلیم کرلے گا۔

12 ستمبر 1947ء کو بھارتی فوج کے چیف آف آرمی اسٹاف لارڈ اسے کراچی جارہے تھے ماؤنٹ بیٹن نے انہیں قائداعظم کے نام ایک خط دیا اور ان سے کہا کہ آپ حکومت پاکستان کو کہہ دیں کہ "اگر وہ جونا گڑھ کے الحاق کو تسلیم کرے گی تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے اور بھارت اور پاکستان میں باہمی تصادم ہوگا۔ جناح اگر کوئی الحاق

چاہتے ہیں تو انہیں ایک بار ریاست کا الحاق پسند نہیں کرنا چاہیے۔" ایک طرف تو پاکستان کو یہ مشورہ دیا جاتا تھا اور دوسری طرف اسی ریاست کو ہندوستان کسی بھی قیمت پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ جب سیکڑوں ریاستوں نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کیا جن میں دو ایک ایسی بھی تھیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، تب رائے عامہ معلوم کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوا۔ لیکن جوناگڑھ کے معاملے میں تمام سوالات پیدا ہو گئے۔ جوناگڑھ کیلئے استصواب رائے عامہ کی پیش کش کر دی لیکن کشمیر کے لئے یہی اصول تسلیم کرنے میں پس و پیش کرنے لگے۔

لارڈ اسٹول جو وزیر دولت مشترکہ تھے ان کو بھی لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی طرف سے کہا گیا کہ وہ جب کراچی جائیں تو قائداعظم پر زور ڈالیں کہ وہ ریاست جوناگڑھ کا الحاق منظور نہ کریں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے حق نمک ادا کرنے میں مستعدی سے کام کیا۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پاکستان کے وزیر اعظم کو تار بھی بھیجتے رہے پاکستان نے ان فضول تاروں کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے لکھا کہ حکومت پاکستان نے ریاست جوناگڑھ کا الحاق منظور کر لیا ہے اور معاہدہ قائمہ پر بھی دستخط ہو چکے ہیں۔ اس اعلان سے سامراجی ذہنیت رکھنے والے ہندو حکمرانوں پر جیسے بجلی گری۔ انہوں نے ریاست کے اطراف راجاؤں پر زور ڈالا کہ نواب جوناگڑھ کو احتجاجی خطوط لکھیں اور اپنے ذاتی اثر و رسوخ کو کام میں لائیں تاکہ ریاست کا پاکستان سے الحاق منسوخ کیا جائے لیکن ان کی کوئی پیش نہیں چلی۔ چاروں سمت سے سخت ناکا بندی، دباؤ اور دھمکیوں سے پر حالات میں نواب مہابت خانجی نے قائداعظم کے نام حسب ذیل خط ارسال کیا کہ:

" جوناگڑھ ہر جانب سے تنقید ہو رہی ہے۔ الحمدللہ ہم اپنے فیصلے پر اٹل ہیں۔ حکومت پاکستان جوناگڑھ کے الحاق کی تسلیم کے بارے میں اعلان کرے۔ میں وزیر محصول مسٹر اے کے وائی ابراہانی کو کراچی بھیج رہا ہوں۔ وہ معاہدے کی تمام شرائط طے کریں گے۔ میں نے انھیں اختیار دیا ہے کہ وہ الحاق سے متعلق دستاویزات پر میری جانب سے دستخط کر دیں۔"

جناب ابراہانی کراچی پہنچ گئے ان کے سفر کا سب سے بڑا مقصد حکومت پاکستان کے حکام کو جوناگڑھ کی صحیح صورت حال سے مطلع کرنا اور ان سے ہدایات حاصل کرنا تھا۔ اس کے علاوہ کاٹھیاواڑ کے بگرہ بھایانی، تھانہ دیوڑی اور چند تیسرے اور چوتھے درجے کی ریاستوں نے جوناگڑھ کے توسط سے پاکستان کے ساتھ شمولیت کا مطالبہ کیا تھا، ان کے بارے میں بھی حکومت پاکستان کو تفصیلات بتانی تھیں اور ہدایات حاصل کرنا تھیں۔ ان چھوٹی ریاستوں کے ساتھ اس معاملے کے بارے میں جوناگڑھ کے بارے میں جوناگڑھ کے خصوصی فرائض پر مامور افسر (آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی) سید زین العابدین "مدہوش" ترمذی نے گفت و شنید کی تھی۔

بالآخر حکومت پاکستان نے 15 ستمبر 1947 کو ایک ایکسٹرا آرڈینری گزٹ کے ذریعے اعلان کر کے ریاست جوناگڑھ کے پاکستان کے ساتھ الحاق کو باقاعدہ تسلیم کر لیا۔ "پاکستان کے ہز ایکسی لینسی گورنر جنرل نے "جوناگڑھ" کے ہز ہائی نس نواب صاحب بہادر کی طرف سے پیش کئے ہوئے الحاق کی دستاویزات کو قبول کر لیا۔ یہ دستاویز صرف دفاع، خارجی امور، ذرائع مواصلات، صرف انہی تینوں کا پاکستان کے ساتھ الحاق کرتا ہے لیکن دیگر تمام معاملات میں حکومت کی خود مختاری کسی طرح بھی متاثر نہیں ہوگی۔" اس کے ساتھ ہی حکومت پاکستان نے حکومت بھارت کو بذریعہ ٹیلی گرام دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا کہ " حکومت پاکستان نے ریاست جوناگڑھ کے الحاق کو تسلیم کر لیا ہے اور متعلقہ دستاویزات پر دستخط کر دیئے ہیں۔" اس ٹیلی گرام کے بعد ہندو رہنماؤں میں کھلبلی سی مچ گئی اور انہوں نے ریاست کے خلاف ناجائز اور غیر قانونی طریقے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ اس روز بھارت کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اسٹاف کی ایک میٹنگ میں پہلی بار جوناگڑھ کا معاملہ زیر غور لایا گیا۔ اس میٹنگ میں اس رائے کا اظہار کیا گیا کہ اگر جوناگڑھ نے پاکستان کے ساتھ الحاق کر لیا تو یہ معاملہ برصغیر کی ریاستوں کے الحاق کی پوری پالیسی کی قانونی حیثیت کے سامنے ایک ڈائریکٹ چیلنج بن جائے گا اور کاٹھیاواڑ کی دیگر ریاستوں اور خصوصاً حیدرآباد کے لئے اس کے تباہ کن نتائج برآمد ہوں گے نیز ریاست حیدرآباد میں مسلم انتہا پسندوں کی زبردست حوصلہ افزائی ہوگی۔

اس میٹنگ کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے لارڈ اسمے، مینن اور اپنے نجی سیکریٹری ایلن کیمبل جونز کے ساتھ ایک علیحدہ میٹنگ طلب کی۔ مینن نے اس میٹنگ میں ریاست جوناگڑھ کے خلاف بری اور بحری طاقت کا مظاہرہ کرنے پر اصرار کیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں جنگی حکمت عملی کا ایک پروگرام بھی مرتب کر رکھا تھا۔ وہ پروگرام کچھ اس قسم کے امکان پر مبنی تھا پاکستان جوناگڑھ کو فوج اور جنگی ساز و سامان کی امداد دے گا۔ اس امکان کے ثبوت کے طور پر مینن نے کچھ ایسا ریکارڈ پیش کیا تھا کہ پاکستان جوناگڑھ کو اس کی بندرگاہ ویراول کی ترقی کے لئے آٹھ کروڑ روپے بطور قرضہ دے رہا تھا اور پچیس ہزار سپاہی بھی بھیج رہا ہے۔ لارڈ اسمے نے پاکستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر اس رپورٹ کو طفلانہ قرار دیا۔ دوسرے روز لارڈ اسمے نے ایک میٹنگ میں زور دے کر یہ بات کہی کہ ریاست جوناگڑھ جناح کے لئے بظاہر بالکل بیکار اور ایک ناممکن فوجی ذمہ داری ہے۔ اس الحاق کے ذریعے جناح بھارت کو فوجی طور پر اکسانا چاہتے ہیں اور قانونی نکات پر فیصلہ کرانا چاہتے ہیں اور کشمیر و حیدرآباد کے وسیع تر مقاصد کے لئے کوئی پالیسی اختیار کرنے کے لئے قانونی جواز پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جوناگڑھ کچھ معاملات میں حیدرآباد سے مماثلت رکھتا ہے۔ وہاں کا حاکم بھی مسلمان ہے اور رعایا کی اکثریت ہندو ہے۔ جوناگڑھ کے معاملے میں غور و فکر کرنے کے لئے بھارتی کابینہ کی ایک میٹنگ 17 ستمبر 1947ء کو منعقد کی گئی۔ ماؤنٹ بیٹن اس میٹنگ کے بارے میں اپنی رپورٹ میں بیان کرتے ہیں۔

" میٹنگ منعقد ہونے سے پہلے مجھے اطلاع مل گئی تھی کہ تمام وزراء نے آپس میں مشورہ کر کے ریاست جوناگڑھ پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے لہٰذا میں نے میٹنگ سے قبل ہی وزیراعظم جواہر لعل نہرو اور نائب وزیراعظم سردار ولبھ بھائی پٹیل کو طلب کیا۔ خصوصاً پٹیل انتہائی برہم تھے۔ پٹیل کہہ رہے تھے کہ ہمیں ایسے حالات میں کسی قسم کی کوئی کمزوری ہرگز ظاہر نہیں کرنی چاہیے میں نے انہیں سمجھایا کہ کسی بھی قسم کے فوجی اقدام سے پیشتر گفت وشنید کے تمام امکانات آزما لینے چاہئیں۔ اس کے بعد کابینہ کی میٹنگ میں نہرو نے انہی تمام دلائل کو اپنی طرف سے پیش کیا۔

جوناگڑھ پر غاصبانہ قبضے کا آغاز

ماؤنٹ بیٹن نے نہرو اور پٹیل کو سمجھایا کہ کسی قسم کا فوجی اقدام کرنے کے بجائے کچھ اس قسم کا بیان جاری کیا جائے کہ ہم کسی علاقے پر قبضہ کرنے کے خواہش مند نہیں ہیں۔ ایسے معاملات میں ریفرنڈم کے ذریعے عوام کی رائے حاصل کرنی چاہیے۔ کابینہ نے اس میٹنگ میں فیصلہ کیا کہ جوناگڑھ کے نواب پر اب مزید اندرونی اور بیرونی دباؤ ڈالا جائے۔ ریاست کے اردگرد بھارتی فوج اور کاٹھیاواڑ کی دیگر ریاستوں کے دستے لگا دیئے جائیں لیکن وہ دستے جوناگڑھ کی ریاست میں داخل نہ ہوں۔ اس کے علاوہ ریاست کے پاکستان سے الحاق کے نتائج سے نواب صاحب کو مطلع کرنے کے لئے وی پی مینن جوناگڑھ جائیں۔ اس کے ساتھ ہی لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان کے گورنر جنرل کے نام ایک تار بھیجا کہ پاکستان کی طرف سے کئے گئے ایسے الحاق کو حکومت بھارت اپنی خودمختاری اور علاقائی سالمیت کے خلاف سمجھتی ہے۔ دونوں ڈومینیز کے درمیان جس قسم کے تعلقات رہنے چاہئیں یہ اس کے برعکس ہے۔ برصغیر کی تقسیم جن اصولوں پر کی گئی اور عمل لائی گئی تھی یہ الحاق ان اصولوں کی سراسر خلاف ورزی کرتا ہے۔ اس تار کے موصول ہوتے ہی قائداعظم نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ایک جوابی تار ارسال کیا:۔

" ہمیں اطلاع ملی ہے کہ جوناگڑھ اور کاٹھیاواڑ کی ریاستیں جو پاکستان سے الحاق کر چکی ہیں ان کی سرحدوں پر کثیر فوجی اجتماع کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ اطلاع غلط ہوگی۔ جوناگڑھ کے نظام میں یا اس کے کسی علاقے میں کسی قسم کی دخل اندازی مخاصمانہ عمل قرار دی جائے گی۔ "

ریاست جوناگڑھ کا الحاق پاکستان سے قانونا جائز طریقے سے ہوا۔ لیکن وہ بھی سامراجی ذہنیت رکھنے والے ہندو رہنماؤں کو ناگوار گزرا۔ انہوں نے ریاست کے خلاف ناجائز اور غیر قانونی طریقے استعمال کرنے شروع کئے، ریاست میں ہر طرف امن وامان ہونے کے باوجود انہوں نے ہندو باشندوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر اطراف کی ہندو ریاستوں میں پناہ لیں تا کہ ریاست کا کاروبار جو زیادہ تر ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا وہ ختم ہو جائے اور ریاست کی معاشی حالت گر جائے۔ لیکن ان کی یہ مراد بھی بر نہ آئی کاروباری طبقے کے چند لوگوں نے اپنے بیوی بچے تو باہر بھجوا دیئے لیکن خود انھوں نے کاروبار نہیں چھوڑا۔ جب یہ اسکیم ناکام ہوئی تو انہوں نے ریاست کیلئے اقتصادی رکاوٹیں پیدا کرنا شروع کر دیں۔ ریاست میں خشکی کے ذریعے مال کی درآمد برآمد بند کر دی گئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ جو لوگ باہر سے ریاست میں داخل ہونا چاہتے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جاتیں، ان کے سامان کی گھنٹوں تلاشی لی جاتی تا کہ ان کی ٹرین چھوٹ جائے اور یہ پلیٹ فارم پر بے یار و مددگار پریشانی اٹھاتے رہیں۔ بمبئی سے جانے والوں کے لئے یہ قید لگا دی گئی کہ وہ پولیس کمشنر کے دفتر سے جب تک سرٹیفکیٹ حاصل نہ کر لیں کہ وہ ریاست کے باشندے ہیں تب تک انہیں ٹرین کا ٹکٹ نہ دیا جائے اور یہ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے میں جو مراحل طے کرنے پڑتے اور جو تکالیف برداشت کرنی پڑتیں اس کا اندازہ با آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ ان کا مقصد تھا کہ رعایائے ریاست پریشانی کے عالم میں ہندوستان کے آگے جھک جائیں۔ جب اس قسم کی عیارانہ چالوں سے خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا تو ہندوستان کے حکمرانوں نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ ریاست جوناگڑھ کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا جائے بحری بیڑے کو بھی ہدایت کر دی گئی کہ وہ ریاست کے ساحل بحر پر کڑی نگرانی رکھے۔ ایک طرف عوام کو خوفزدہ کرنے کی چالیں چلی جا رہی تھیں تو دوسری طرف ریاستی امور کے سیکریٹری مسٹر وی پی مینن کو امن وآشتی کا قاصد بنا کر روانہ کیا گیا۔ مسٹر مینن کا مشن یہ تھا کہ وہ اپنی سحر بیانی سے نواب صاحب کو پاکستان سے الحاق منسوخ کرنے کو سمجھائیں اور اگر یہ چال کارگر نا بت نہ ہو تو فوجی طاقت سے مرعوب کرنے کی سعی کی جائے اپنے آقاؤں کی تعمیل میں مسٹر مینن 17 ستمبر کو بذریعہ ہوائی جہاز راجکوٹ پہنچے اور وہاں سے 19 ستمبر بذریعہ موٹر کار جوناگڑھ پہنچ گئے۔ شہر کے قریب ریاست کے کمشنر نے ان کا استقبال کیا اور سرکاری مہمان خانے میں پہنچا دیئے گئے۔ ریاست کے دیوان سرشاہ نواز بھٹو نے ان سے ملاقات کی۔ مینن صاحب نے نواب صاحب سے ملنے اور ان سے ہی بات چیت کرنے کی ضد کی اور فرمایا کہ ہندوستان کی کابینہ کی طرف سے جو خط وہ لائے ہیں وہ صرف نواب صاحب کو ہی دیا جا سکتا ہے۔ سرشاہ نواز نے مسٹر مینن کو بتایا کہ نواب صاحب بستر علالت پر دراز ہیں اور ان سے ملاقات کرنا اس وقت ممکن نہیں۔ لہٰذا سرشاہ نواز سے ہی گفتگو ہوئی۔ مینن صاحب نے اپنے آقاؤں کا نظریہ پیش کیا جو صرف اپنی مملکت وسیع کرنے کی پالیسی کے حامی تھے۔ انہوں نے مختلف دلائل سے سرشاہ نواز کو پھانسنا چاہا لیکن ان کی ایک بھی پیش نہ چلی۔ آخر کار ریاست کے خلاف بنائی ہوئی اسکیم کی جھلک دکھاتے ہوئے مسٹر مینن نے کہا کہ کاٹھیاواڑ کے لوگ بے قابو ہوتے جا رہے ہیں

اور اگر انہوں نے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نواب اور ان کا خاندان ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ اس وقت تک شرارت پسند عناصر کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت دے چکے تھے اور ہر ممکن امداد کا وعدہ بھی کر چکے تھے۔ بھٹو صاحب نے قانونی صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ ریاست کا پاکستان سے الحاق ہو چکا ہے اس لئے مزید بات چیت دونوں ڈومینیز کے درمیان ہونی چاہئے۔ مسٹر مینن لاجواب ہو کر راجکوٹ واپس چلے گئے وہاں اپنی حرکات کے لئے زمین ہموار کرنے کی غرض سے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ کاٹھیاواڑ میں امن وامان قائم رکھنے کی غرض سے حکومت ہند ہر ممکن قدم اٹھائے گی۔ دوسرے روز مسٹر مینن جام نوانگر کے ساتھ بمبئی روانہ ہو گئے۔ وہاں بھی اخباری نمائندوں سے خطاب کیا۔ جام صاحب نے تفصیلاً گفتگو کرتے ہوئے مسئلے کو حل کرنے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور اپنا نظریہ بھی پیش کیا۔ بالفاظ دیگر انہوں نے حکومت ہند کے ارادوں کی ترجمانی کرتے ہوئے جوناگڑھ کے خلاف جارحانہ اقدام کی تفصیلی اسکیم پیش کی وہ جام صاحب جو کہ کانگریسی فرعونوں کی مخالفت میں ایک آزاد ریاستی ہند قائم کرنے کی مہم کے بانی تھے وہی جام صاحب اپنی اسکیم میں ناکام ہوتے ہی مسٹر پٹیل کے قدموں میں گر گئے اور پاکستان و جوناگڑھ کی مخالفت میں نمایاں حصہ لینے لگے تاکہ کانگریسی آقاؤں کی ناراضگی دور ہو جائے۔ انہوں نے دوہری پالیسی اختیار کی۔ ایک طرف حکومت ہند سے جائز قدم اٹھانے کا مطالبہ کیا اور دوسری طرف شرارتی عناصر کی غیر قانونی حرکات میں رہنمائی شروع کر دی۔

بمبئی کے کانگریسی لیڈر جو ہندو سامراج کے خواب دیکھ رہے تھے وہ بھلا یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ ریاست جوناگڑھ پاکستان سے ملحق ہو اور ان کے ہاتھ سے ایک سرسبز اور شاداب علاقہ نکل جائے انہوں نے اپنے حکمرانوں کے اشارے پر حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ جوناگڑھ کے خلاف سخت سے سخت قدم اٹھائے گویا پاکستان سے الحاق ان کی نظروں میں جرم تھا۔ حالات دن بھر دن گمبھیر ہوتے جا رہے تھے، معاملہ سلجھنے کے بجائے الجھتا جا رہا تھا۔ کانگریسی لیڈروں کی یہ کوشش تھی کہ چاہے کچھ بھی ہو جوناگڑھ ہاتھ سے نکلنا نہیں چاہئے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنا گھیرا تنگ کرتے جا رہے تھے۔ مکڑی کی طرح جوناگڑھ کے اردگرد اپنا جال بننے میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ آکٹوپس کی طرح اسے اپنے شکنجے میں جکڑ لینا چاہتے تھے۔

شامڑ داس گاندھی کا شاطرانہ کردار

یہ سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ اس معرکے میں گجراتی اخبار "ماتر بھومی" کے ایڈیٹر شامڑ داس گاندھی (جو گاندھی ہونے کی وجہ سے اپنا شجرہ مہاتما گاندھی سے ملائے ہوئے تھے) کود پڑے۔ اس نے 14 ستمبر 1947ء کو اپنے اخبار میں جوناگڑھ کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوا ایک نہایت ہی سخت اداریہ "جے سومناتھ" کے عنوان سے شائع کیا۔ وہ پاکستان کے سخت مخالفین میں سے ایک تھا وہ اپنے اخبار کے ہر شمارے میں قائداعظم اور پاکستان کے خلاف کوئی نہ کوئی مضمون ضرور شائع کرتا تھا۔ اس نے اپنے اداریے کے آخر میں لکھا تھا۔ "سنو افق سے آواز آ رہی ہے۔ چلو اوپرکوٹ! اور سنو کاٹھیاواڑ کے آسمان سے طبل جنگ سنائی دے رہا ہے جے سومناتھ! چلو اوپرکوٹ! جے سومناتھ! " شامڑ داس گاندھی اپنے اخبار کی مدد سے ہندوؤں کو اکسا رہا تھا کہ وہ جوناگڑھ کے معاملے پر متحد ہو جائیں اور کسی بھی قیمت پر اسے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

نوانگر کے جام صاحب دیگ جے سنگھ جی نے 22 ستمبر کو دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق پورے کاٹھیاواڑ کے لئے خطرے کا باعث ہے۔ یہ ہندوستان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش ہے۔ اس پر اگر بروقت قابو نہیں پایا گیا تو مستقبل میں دونوں ممالک کے درمیان جنگ ناگزیر ہو جائے گی۔ حکومت ہند اگر ایسا کرنے میں ناکام رہی تو اس کے ساتھ ملحقہ ریاستوں کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنی پڑے گی اور اس کے نتیجے میں ملک کا اتحاد اور سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ جام صاحب نے اس پریس کانفرنس میں ڈرامائی انداز میں اپنا کوٹ اتار کر اور آستینیں چڑھا کر بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ جوناگڑھ کے خلاف جنگ کرنے کا وقت آ چکا ہے۔ اس دوران دہلی میں 24 ستمبر کی شام گاندھی جی نے اپنی ایک "پرارتھنا سبھا" (عبادتی جلسہ) میں پاکستان کے ساتھ جوناگڑھ کے الحاق کی کھلے بندوں مخالفت کی اور پاکستان میں جوناگڑھ کی شمولیت کو ایک "غضب ناک بات" قرار دیا۔ 25 ستمبر کے صبح کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تو ریاست جوناگڑھ کے خلاف متحد ہونے والی طاقتوں نے اس کو اپنی کارروائیوں کے لئے گاندھی جی کا آشیرباد سمجھا اور ان میں جوش وخروش کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی۔

حکومت ہند ریاست کے خلاف بین الاقوامی وجوہ کی بنا پر کوئی اعلانیہ اور کھلا قدم اٹھانے سے قاصر تھی اس لئے اس کو آلہ کار کی تلاش تھی اور شامڑ داس یہ خدمت انجام دینے کے لئے تیار تھے وہ مسٹر مینن اور جام صاحب سے ضروری مشورہ کر کے شری پٹیل سے آشیرباد لینے دہلی پہنچے اور سب معاملات طے کرانے کے بعد بمبئی واپس آ کر جوناگڑھ پرجا منڈل کے نام سے ایک جماعت بنائی بمبئی کے گیرگاؤں میں 25 ستمبر کو ایک جلسہ عام منعقد کیا۔ اس جلسے میں جوناگڑھ کی رعایا کہلانے والے گنتی کے لوگ اور باقی تماش بین

شامل تھے۔اس جلسہ میں جوناگڑھ کی ایک عارضی حکومت بنائی گئی اور شامڑ داس گاندھی اس کے سربراہ مقرر کئے گئے ۔ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ نواب جوناگڑھ نے یہ حق کھودیا ہے کہ رعایا ان کی وفادار رہے۔لہٰذا وہ تمام حقوق جو اس دن سے پہلے نواب جوناگڑھ کو حاصل تھے وہ تمام کے تمام عارضی حکومت کے صدر شامڑ داس گاندھی کے سپرد کئے جاتے ہیں۔اس جلسے میں شامڑ داس کو ایک تلوار دی گئی جس کو لیتے وقت انہوں نے فرمایا کہ وہ اس تلوار کے زور سے ریاست پر قبضہ کریں گے۔ یہ ڈراما اس سرزمین پر کھیلا جارہا تھا جہاں ہندوستان کی حکومت تھی اور وہ بین الاقوامی قوانین کے تحت اس بات کا پابند تھا کہ وہ اس پُرامن ہمسایہ ملک کے خلاف ایسی تحریک نہ ہونے دے لیکن چونکہ حاکموں کے اشارے سے یہ سب کچھ ہورہا تھا اس لئے قانون کے محافظوں نے اس لاقانونیت کو بڑی خوشی سے روا رکھا اس جلسے میں جوناگڑھ کی نام نہاد وزارتی کابینہ بھی بن گئی۔انہوں نے چندہ جمع کر کے لاکھوں روپے جمع کئے اور ریاست پر یلغار کرنے روانہ ہو گئے۔حکومت ہند کی طرف سے بھی جوناگڑھ کے اطراف فوجی نقل وحرکت شروع ہوگئی۔بریگیڈیئر گوردیال سنگھ کی کمان میں کاٹھیاواڑ ڈیفنس فورس تشکیل دی گئی جس میں بھارتی فوجوں کے ساتھ اطراف کی ہندو ریاستیں نوانگر، بھاونگر اور پوربندر کی امداد طلب کی گئی تھی اور ریاست جوناگڑھ کو تین اطراف سے گھیرے میں لے لیا پوربندر کے اطراف بھارتی بحریہ کے تین جنگی بحری جہاز بھی پہنچ گئے۔جن کے نام "کرشنا" "کاویری" اور "جمنا" تھے۔انہیں اس مہم پر خصوصی طور پر بھیجا گیا تھا۔اس کے علاوہ سرنگیں تلاش کرنے والے جہاز "کونکرڈ" کو مدراس روانہ کیا اور ایک ٹینک بردار جہاز پوربندر کی بندرگاہ پر بھیجا اس کے ساتھ ہی "ٹیم پیسٹ" قسم کے طیاروں کا ایک اسکواڈرن بھی بھیجا گیا۔اس کے علاوہ رائل انڈین انجینئرنگ اور میڈیکل کور کے دستے بھی بذریعہ بحری جہاز جعفر آباد کی بندرگاہ پر پہنچائے گئے۔ یہ سارا سامان ان نہتے مسلمانوں کے لئے بھیجا جارہا تھا جو حق پر تھے اور جو کسی کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتے تھے۔ جب یہ ضرب وحرب کا سامان وہاں پہنچا تو کاٹھیاواڑ کے عوام نے زندگی میں پہلی بار ٹینک، جنگی طیارے اور دیگر جدید سامان دیکھا۔

نئی دہلی 14 اکتوبر کے دن وزیراعظم کے دفتر سے جاری کئے گئے ایک پریس نوٹ میں مذکورہ بالا تمام تفصیلات بیان کی گئی تھیں اس میں مزید یہ بھی بتایا گیا تھا کہ کاٹھیاواڑ کی چند ریاستوں کی درخواست پر بھارتی فوج کا ایک مختصر سا دستہ پوربندر کی بندرگاہ پر بھیجا گیا ہے۔اس کے برخلاف حکومت پاکستان کی جانب سے ستمبر کے آخر میں تین بحری جہازوں کے ذریعے غلے، تیل، اور کوئلہ وغیرہ کی رسد ویراول کی بندرگاہ پر پہنچائی گئی۔اس کے علاوہ حکومت پاکستان نے ریاست جوناگڑھ کو کراؤن پولیس کی سات کمپنیاں بھیجنے کی پیش کش کی۔ راجکوٹ جو اس فوج کا ہیڈکوارٹر تھا وہاں سے وقفے وقفے سے ہوائی جہاز ریاست پر چکر لگایا کرتے۔مقصد یہی تھا کہ ریاست کے عوام خوف وہراس میں آکر حکومت ہند کے آگے جھک جائیں لیکن ان حرکتوں کے باوجود ریاست کے لوگوں کا حوصلہ بدستور بلند رہا۔عارضی حکومت کے مٹھی بھر کارکنوں نے بھی راجکوٹ میں اپنا اڈا قائم کر لیا اور اپنے آقاؤں کے حکم کے منتظر رہے۔ چند دن بعد انہوں نے بھارتی فوج کے سپاہیوں کی مدد سے راجکوٹ کے جوناگڑھ ہاؤس پر قبضہ کر لیا جوناگڑھ ہاؤس میں سرکاری وکیل کا دفتر اور چند رہائشی کمرے بھی تھے۔شرارت پسندوں نے جوناگڑھ ہاؤس میں جو عملہ موجود تھا اس کو گرفتار کر لیا اور ان کو طرح طرح سے پریشان کیا۔ یہ سب کچھ اس مقام پر ہوا جہاں ریجنل کمشنر اور کاٹھیاواڑ ڈیفنس فورس کا ہیڈکوارٹر تھا۔

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ یہ ناجائز اور جارحانہ کارروائی ان کی مرضی کے عین مطابق ہوئی۔شامڑ داس گاندھی ایک معمولی اخبار نویس تھا۔ ریاست جوناگڑھ سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔تاہم بھارتی حکمرانوں نے اسے جوناگڑھ کی نام نہاد عارضی حکومت کا حاکم اعلیٰ بنا دیا۔اس کے ساتھ ساتھ بھارتی فوج کے مسلح سپاہیوں کے دستے بھی دیئے تاکہ وہ ریاست کی حد میں داخل ہوکر اپنی غیر قانونی اور جارحانہ کارروائی جاری رکھے اور ریاست کے مسلمان باشندوں کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنائے۔ بھارتی حکومت دہری چال چل رہی تھی۔ایک طرف تو وہ اپنی جارحانہ سرگرمی میں مصروف تھی اور دوسری طرف لارڈ ماؤنٹ بیٹن مسئلہ جوناگڑھ کے تسلی بخش حل کے لئے لیاقت علی خان سے بات کررہے تھے۔ 16 اکتوبر کو جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن لاہور گئے تو ان کے اور وزیراعظم پاکستان کے درمیان یہ طے پایا کہ اگر دونوں حکومتوں کے درمیان تفصیلات طے ہوجائیں تو پاکستان استصواب رائے عامہ پر رضامند ہوجائے گا۔ 21 اکتوبر کو پنڈت نہرو نے لیاقت علی خان کو ایک تار بھیجا کہ وہ ضروری گفت وشنید کے لئے ریاستی امور کے سیکریٹری وی پی مینن کو لاہور بھیج رہے ہیں۔لیاقت علی خان نے جواب دیا کہ انہیں لاہور کے بجائے کراچی بھیجا جائے تاکہ سیکریٹریٹ سطح پر بات چیت ہو۔اس کے بعد اگر ضرورت محسوس ہوئی تو وزارتی سطح پر گفتگو کے لئے غور کیا جائے گا لیکن حکومت ہند نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ظاہر ہے ان کا مقصد صرف دکھاوے کی بات چیت کرنا تھا۔درپردہ وہ ریاست ہر جارحانہ قبضہ کرنے کی تیاری کرچکے تھے۔اس دن یعنی 25 ستمبر کو دہلی میں پاک بھارت مشترکہ کمیشن کی میٹنگ منعقد ہوئی جس میں پاکستان کی طرف سے وزیراعظم لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی نے شرکت کی، اس میٹنگ میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے لیاقت علی خان کو جوناگڑھ کے معاملے میں بھارت کی جانب سے کئے گئے فوجی اقدام سے آگاہ کیا۔لیاقت علی خان نے اس پر شدید احتجاج کیا اور ماؤنٹ بیٹن پر صاف الزام لگایا کہ جوناگڑھ کا مسئلہ خود ان کا پیدا کردہ ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ ہم نے جوناگڑھ کے الحاق کو تسلیم کرنے سے پہلے تقریباً ایک مہینہ غور وفکر کیا تھا کیوں کہ ہم ایسے الحاق کی راہ میں آنے والی مشکلات سے باخبر تھے۔ جوناگڑھ کے نواب کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اور ریاست کی بندرگاہ ویراول سے کراچی آمدورفت کی سہولت کی وجہ سے ہم نے اس الحاق کی پیشکش کو قبول کرلیا تھا۔

جوناگڑھ کے اُجڑنے کا احوال

ریاست جوناگڑھ میں حالات اتنی تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے کہ کوئی شخص بھی یہ پیش گوئی نہیں کر سکتا تھا کہ کل کیا ہوگا، ان ہی حالات کو چشم دید گواہ کی حیثیت سے اشفاق نقوی نے اپنی کتاب جوناگڑھ کے آخری ایام میں اس طرح قلمبند کیا ہے۔ "ہندوستان نے رفتہ رفتہ جوناگڑھ کے گرد اپنی گرفت مضبوط کرنا شروع کر دی۔ ریاست کے مغرب میں سمندر یعنی بحرِ عرب تھا۔ باقی تینوں جانب ہندوستانی علاقہ تھا۔ جوناگڑھ کی ریلوے لائن جیتل سر جنکشن پر جا کر ختم ہو جاتی تھی۔ وہاں سے آگے ایک ہندو ریاست (گوندل) کی لائن سے جا کر ملتی تھی، لہٰذا مسلمانوں کے لئے جیتل سر سے آگے جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ستمبر کے آخر تک جوناگڑھ سے باہر جانے کے تمام راستے بند ہو چکے تھے اور ادھر سے کسی شخص کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ضرورت کی اشیاء کی درآمد بند ہو گئی اور ڈاک و تار کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ جوناگڑھ اب پوری طرح گھر چکا تھا اور رعایا کے کمزور دل عناصر کو طرح طرح کے وسوسوں نے پریشان کرنا شروع کر دیا پھر بھی زیادہ تر لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہے اور خیال بھی نہ کیا کہ انہیں کوئی گزند پہنچ سکتی ہے۔ شام کو شہر کے مشہور کالوا چوک میں ہمیشہ کی طرح لوگوں کا جمگھٹا اور چہل پہل رہتی تھی اور سب بے فکر نظر آتے تھے۔ تاہم یہ ہنگامی حالات کا زمانہ تھا اور انتظامیہ نے ضروری اقدامات اٹھانا شروع کر دیئے۔ خان بہادر محمد حسین شاہ نقوی جوناگڑھ پولیس کے کمشنر تھے۔ فوج اور پولیس میں سب سے سینئر ہونے کی وجہ سے انہیں دفاع کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے بہت سی تدابیر اختیار کیں۔ جن میں شہر پر حملے کی صورت میں تمام باشندوں بالخصوص عورتوں اور بچوں کے تحفظ کا انتظام، اشیائے خوردنی کا ذخیرہ اور ضرورت کے وقت اس کی مناسب تقسیم کا بندوبست شامل تھا۔ لیکن اس وقت کی سب سے اہم ضرورت لوگوں کے دلوں کو تقویت پہنچانے اور خوف و ہراس مٹانے کی تھی۔

سب سے پہلے یہ جائزہ لیا گیا کہ مزید ہتھیار کہاں سے مہیا کئے جا سکتے ہیں کافی دوڑ دھوپ کے بعد ریاستی وسائل اور اطراف کی امداد سے اتنے ہتھیار اکٹھے ہو گئے کہ جوناگڑھ کی پولیس میں ایک نئی بٹالین کا اضافہ کیا جا سکے۔ لہٰذا اس کی زور و شور سے تربیت شروع کر دی گئی۔ اس کے علاوہ جوناگڑھ میں آباد سندھیوں پر مشتمل ایک غیر رسمی (Irregular) فوجی دستہ بھی تیار کیا گیا۔ یہ سندھی کئی پشتوں سے وہاں رہتے آئے تھے۔ مقامی لوگوں کی نسبت یہ لوگ زیادہ بہادر تھے اور اطراف کی ریاستیں ہمیشہ ان سے خوفزدہ رہتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی کچھ ٹھوس کاموں پر توجہ دی گئی۔ جوناگڑھ شہر کے بیچوں بیچ ایک پرانا قلعہ جو "اپر کوٹ" کہلاتا تھا۔ اس کا رقبہ بہت وسیع تھا اور وہاں پر بدھوں کے زمانے کے غاروں اور تہ خانوں کے علاوہ کچھ جدید عمارات بھی تھیں۔ اس قلعے کا تفصیلی نقشہ تیار کیا گیا اور حملے کی صورت میں عورتوں اور بچوں کو وہاں منتقل کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ اس کے علاوہ وہاں پر اشیائے خوردنی اسلحہ اور پیٹرول وغیرہ ذخیرہ کرنے کے انتظامات بھی کئے گئے۔ ریاست کی مکمل ناکا بندی کے باوجود ان دنوں کسی چیز کی کوئی خاص قلت محسوس نہیں ہوئی، شکایات صرف چند لوگوں کی طرف سے موصول ہوئیں جو اس بات سے پریشان تھے کہ انہیں شام کی تفریح کیلئے کافی پیٹرول نہیں ملتا۔ ڈاک اور تار کا سلسلہ بند ہونے کے بعد باقی دنیا سے رابطہ قائم کرنے کا انتظام بھی ضروری تھا۔ اس مہم پر ایک افسر کو روانہ کیا گیا جو کسی طرح چھپ چھپا کر احمد آباد تک گیا اور وہاں سے بذریعہ طیارہ کراچی پہنچا۔ وہاں پر متعلقہ لوگوں سے مل کر اس نے جوناگڑھ کے حالات بیان کئے۔ چند ہی روز میں پاک بحریہ کے تین نوجوان ایک وائرلیس سیٹ لے کر جوناگڑھ پہنچ گئے اور نامہ و پیام کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد پاک بحریہ کا ایک جہاز بمبئی کی طرف سے کراچی جاتا ہوا ہماری بندرگاہ ویراول (بلاول) پر تھوڑی دیر کے لئے لنگر انداز ہوا اور اس کے عملے نے شہر کا مختصر سا چکر بھی لگایا۔ اس "جنگی طیارے" اور پاک بحریہ کے جہاز کی آمد کی خبروں نے "عارضی حکومت" کے بہادر رضا کاروں کو اتنا خوفزدہ کیا کہ وہ ہماری سرحدوں سے میلوں پیچھے بھاگ گئے۔ جوناگڑھ اور اس سے ملحقہ چھوٹی ریاستوں یعنی مانگرول، ماناودر، بانٹوا، سردار گڑھ وغیرہ میں ملک کے چوٹی کے مسلمان تاجر آباد تھے نہ صرف ہندوستان بلکہ برما، افریقہ میں بھی ان کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ ان میں سے کچھ جو چند روز کے لئے گھر آئے تھے ناکا بندی کی وجہ سے وہیں پھنس کر رہ گئے۔ وہ کاروبار کی دیکھ بھال کے لئے واپس جانا چاہتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ تھے جو کراچی جانے کے لئے بے چین تھے۔ اس لئے اس مسئلے کا حل تلاش کرنا بھی ضروری تھا۔

جوناگڑھ کا جدید ہوائی اڈا شہر سے 42 میل دور کیشو د کے مقام پر تھا۔ بمبئی سے کراچی جانے والی پروازیں وہاں اترا کرتی تھیں، مگر 14 اگست کے بعد انہوں نے اسے بالکل نظر انداز کر دیا۔ پاکستان کے پاس اس وقت کوئی ایسا طیارہ موجود نہیں تھا جو کراچی اور جوناگڑھ کے درمیان باقاعدگی سے پرواز کر سکتا۔ ہر طرف سے ناامید ہونے کے بعد میں نے اس وفادار وائرلیس سیٹ کا سہارا لیا اور اپنے بڑے بھائی کے نام ایک پیغام بھجوایا۔ میرے بھائی صاحب بہت پرانے ہوا باز تھے اور ایک عرصے سے لندن میں رہتے تھے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ کسی طیارہ کا انتظام کریں تاکہ لوگوں کو جوناگڑھ سے کراچی پہنچایا جا سکے۔ میرا پیغام ملتے ہی انہوں نے ایک برطانوی کمپنی کا ڈکوٹا طیارہ چارٹر کیا اور اسے لے کر خود جوناگڑھ پہنچے۔ اب کیا تھا، کراچی جانے کا راستہ کھل گیا اور چونکہ پرواز صرف دو گھنٹے کی تھی اس لئے دن میں تین تین چکر بھی لگنے لگے۔ پھر بھی مسافروں کی تعداد ختم ہونے میں نہیں آتی تھی۔ یہ طیارہ جوناگڑھ سے پورے مسافر لے کر جاتا، مگر واپسی پر خالی آتا تھا، اس لئے چارٹر کے اخراجات پورے کرنے کے لئے

مسافروں سے دونوں طرف کا کرایہ وصول کیا جاتا جو وہ بخوشی ادا کرتے۔ کچھ عرصے بعد پاکستان کی واحد ہوائی کمپنی اورینٹ ایئر ویز نے اپنی کلکتہ رنگون لائن سے ایک ڈکوٹا طیارہ نکال کر کراچی اور جوناگڑھ کے درمیان چلانا شروع کر دیا۔ اس باقاعدہ رابطے نے لوگوں کے دلوں کو بڑی تقویت پہنچائی اور اب نہ صرف یہ لوگ کراچی جانے لگے بلکہ وہاں سے جوناگڑھ کی طرف بھی رجوع کرنے لگے۔

میں جوناگڑھ کی فوج میں لیفٹیننٹ تھا۔ مجھے سر شاہنواز بھٹو کے اے ڈی سی اور ذاتی سیکریٹری کی حیثیت سے کام کرنے کے لئے کہا گیا۔ ان دنوں حالات کچھ ایسے تھے کہ دوست دشمن میں تمیز مشکل ہوگئی تھی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ حکومت کے خفیہ فیصلوں کی خبر عارضی حکومت کو پہنچ گئی۔ اس لئے تمام تدابیر کا علم کم سے کم لوگوں تک محدود رکھنا ضروری تھا اسی دوران میں نے کراچی کے ایک دو چکر بھی لگائے۔ بعض ضروری کاغذات اور مراسلے دفتر خارجہ پہنچائے، جناب اکرم اللہ، جناب اختر حسین سے ملاقاتیں بھی کیں اور ان سے تھوڑی بہت ڈانٹ بھی کھائی۔ ادھر کراچی سے محکمہ ڈاک وتار کے چند افسروں نے جوناگڑھ کا دورہ کیا اور پاکستان کے ساتھ مواصلاتی نظام کی بحالی کے امکانات کا جائزہ لیا کرنل خالد شیخ (جو میجر جنرل اور مرکزی وزیر کے عہدے تک پہنچے) بھی چند روز کے لئے وہاں آئے اور ریاست کی دفاعی صلاحیت پر رپورٹ تیار کر کے حکومت کو پیش کی۔ جوناگڑھ کی حکومت کو احساس تھا کہ پاکستان کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے اور اشیاء کی درآمد کے لئے اورینٹ ایئر ویز کا ایک طیارہ کسی طرح بھی کافی نہیں اس لئے انہوں نے کسی بہتر ذریعہ آمدورفت کے متعلق سوچنا شروع کیا۔ ویراول کی عمدہ بندرگاہ موجود تھی، جہاں سے بڑی بڑی بادبانی کشتیاں مسافروں اور سامان سے لد کر مشرقی افریقہ اور عرب ممالک کی طرف جاتی رہتی تھیں۔ کیوں نہ یہاں سے اسٹیمر سروس شروع کی جائے؟ اور پھر جوناگڑھ میں وہ سیٹھ بھی تو موجود ہیں جن کا کاروبار ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ اس اسکیم کی کامیابی کے لئے ان کا تعاون بھی تو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب خیالات تھے جو حکومت کے زعماء کے ذہن میں آئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ فوراً ایک بحری جہاز خرید کر ویراول اور کراچی کے درمیان باقاعدہ سروس چلائی جائے۔ یہ فیصلہ ہوتے ہی ڈپٹی کمشنر پولیس مسٹر اسد کو اور مجھے حکم ملا کہ بانٹوا اور کتیانہ جائیں اور وہاں کے بڑے بڑے سیٹھوں کو دیوان صاحب سے ملاقات کے لئے ہمراہ لے کر آئیں۔ ہم شام کے قریب ریل کار سے روانہ ہوئے جو جوناگڑھ کی اپنی ریلوے ورکشاپ میں تیار کی گئی تھی، یہ ریل کار کیا تھی، ایک پر تکلیف کمرا تھا جس کے آگے رولس رائس کار کا انجن نصب کر کے نیچے پہیے لگا دیئے گئے تھے۔ بانٹوا ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر ہم نے بڑے بڑے تاجروں کو پیغام بھجوایا کہ وہ تیار رہیں اور ہم کتیانہ سے واپسی پر انہیں ساتھ لے جائیں گے۔ کتیانہ پہنچ کر جب ہم شہر گئے تو ہر طرف چہل پہل پائی، وجہ جلد ہی معلوم ہوگئی۔ وہ حج پر جانے کا زمانہ تھا اور چھوٹے بڑے، عورتیں بچے بڑی خوشی میں روانگی کی تیاریاں کر رہے تھے اور ان کے عزیز و اقارب مبارکباد اور الوداع کہنے کے لئے جمع تھے۔ ہم جس گھر میں گئے یہی رنگ دیکھا۔ حتیٰ کہ ہمیں ایک جگہ تو باقاعدہ ضیافت میں بھی شامل ہونا پڑ گیا۔ بہرحال ہم نے شہر کے چند سربرآوردہ لوگوں کو ساتھ لے کر جوناگڑھ کا رخ کیا۔ کتیانہ کے ریلوے اسٹیشن (سراڈیہ) سے سگنل کے ذریعے ہماری روانگی کی اطلاع بانٹوا پہنچ گئی۔ اس لئے اسٹیشن پر وہاں کے تاجر بھی موجود تھے۔ ہم نے انہیں بھی ریل کار پر بٹھایا۔ رات بارہ بجے کے قریب ہم جوناگڑھ پہنچے۔ اسٹیشن پر رولس رائس ڈیملر، پیکارڈ اور ایسی ہی کئی بڑی بڑی کاریں لئے پولیس کمشنر میرے والد استقبال کیلئے موجود تھے۔ انہوں نے ہم سب کو دیوان صاحب کے بنگلے پر پہنچا دیا۔

وہاں معلوم ہوا کہ دیوان صاحب ابھی ابھی سوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دن بھر کی سردردیوں کے بعد ان کا وقت دفتر میں موجود ہونا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ چاروناچار انہیں اٹھانا پڑا۔ وہ شب خوابی کے لباس ہی میں باہر آ گئے، تمام تاجروں سے ملے۔ انہیں حالات سے آگاہ کیا اور اسٹیمر سروس چلانے کی اسکیم ان کے سامنے پیش کی۔ دیوان صاحب کی گفتگو کے دوران تمام سیٹھ خاموش بیٹھے سنتے رہے جب وہ اپنی بات ختم کر چکے تو ہم نے سمجھا کہ وہ اسکیم کے بارے میں سوالات کریں گے یا آپس میں مشورہ کرنے کی مہلت مانگیں گے مگر انہوں نے صرف ایک دوسرے کی طرف دیکھنے پر ہی اکتفا کیا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک صاحب بولے "دیوان صاحب آپ اس اسکیم پر فوراً عمل کریں، اس کے لئے جتنی رقم درکار ہوگی ہم دیں گے" اس کے بعد مزید باتوں کی ضرورت تھی نہ موقع میٹنگ ختم ہوگئی اور سیٹھ اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ماناودر، جوناگڑھ سے ملحق ایک چھوٹی سی ریاست تھی اس کے مسلمان حکمران خان صاحب کہلاتے تھے (اس ریاست کی ہاکی ٹیم کو بین الاقوامی شہرت حاصل تھی) اس طرح مانگرول کی ریاست بھی جوناگڑھ کے تابع تھی اور اس کے والی شیخ صاحب کہلاتے تھے۔ ان دونوں نے مل کر جوناگڑھ کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا تھا۔

راجکوٹ میں قیام کے دوران میسن صاحب نے ان دونوں ریاستوں کو ورغلانے کی ٹھانی اور ان کے والیان کو ملاقات کے لئے بلا کر یقین دلایا کہ اگر وہ ہندوستان سے الحاق کا اعلان کر دیں تو انہیں "جوناگڑھ" کی حکمرانی سے نجات مل جائے گی۔ خان صاحب نے تو ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر مانگرول کے شیخ صاحب ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئے اور رضامندی کا اظہار کر دیا۔ راجکوٹ سے مانگرول لوٹنے کے لئے شیخ صاحب کو جوناگڑھ سے گزرنا تھا۔ راستے میں انہیں اپنی غلطی کا احساس کچھ اس شدت سے ہوا کہ وہ سیدھے سر شاہنواز بھٹو کے بنگلے پر آئے اور فوری طور پر ان سے ملنا چاہا۔ میں نے ان کی صورت سے بھانپ لیا کہ وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں ہیں۔ اس لئے اسی وقت انہیں اپنے بنگلے کی بالائی منزل پر شاہنواز کے پاس لے گیا۔ وہاں انہوں نے میسن سے ملاقات کی روداد بیان کی اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے پاکستان سے الحاق کے فیصلے پر قائم رہنے کا اعادہ کیا۔ شیخ صاحب کی درخواست پر ہم نے اس فیصلے کی اطلاع فوراً راجکوٹ میں متعین ہندوستانی ریجنل کمشنر کی معرفت بھجوا دی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا

"عارضی حکومت" کے رضا کاروں کی کارروائیاں شدت اختیار کرتی گئیں اور ہمارے دور دراز کے سرحدی گاؤں پر باقاعدہ حملوں کی وجہ سے لوگوں میں خوف وہراس بڑھنے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ گجراتی اخباروں میں جھوٹی خبروں کی بھرمار ہونے لگی اور جوناگڑھ میں ہونے والے "مظالم" کی من گھڑت کہانیاں چھپنا شروع ہوگئیں۔

دن میں کئی ایک چھوٹے بڑے کاموں میں مصروف رہنے کے بعد مغرب کے قریب میں سرشاہ نواز بھٹو کے ساتھ بیٹھ کر اہم سرکاری فائلیں نکالا کرتا تھا (دن میں اطمینان سے بیٹھ کر دفتر کا کام کرنا ناممکن تھا) اس وقت دیوان صاحب ہمیشہ کی طرح عمدہ لباس پہنے ہوئے اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ جاتے۔ سگریٹ سلگاتے اپنے مخصوص انداز میں کش لگاتے اور میری طرف دیکھ کر کہتے "ہاں، نوجوان" میں پہلے ہی سے فائلوں کا انبار لئے تیار رہتا اور ان کا اشارہ پاتے ہی پہلی فائل اٹھاتا اور جواب طلب خط یا نوٹ پڑھنا شروع کر دیتا۔ سننے کے بعد وہ بلا تامل اپنا جواب یا فیصلہ بولتے جاتے اور میں من وعن فائل پر لکھتا جاتا۔ اس کے بعد فائل ان کے آگے سرکا دیتا اور وہ میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے الفاظ کے نیچے دستخط کر دیتے۔ یہ سلسلہ کوئی نصف شب تک جاری رہتا اس کے بعد دیوان صاحب اپنے کمرے میں چلے جاتے۔ ہندو اخباروں کے پروپیگنڈے اور سرحدوں کے ساتھ ساتھ ہندوستانی افواج کی نقل وحرکت نے بالآخر اپنا کام دکھانا شروع کیا اور اکتوبر میں رعایا کے ذہن پر اس کا گہرا اثر نمایاں ہونے لگا۔ جوناگڑھ کی ایک بدقسمتی یہ تھی کہ وہاں پر ایک انگریز بھی وزارت میں شامل تھا۔ ظاہر ہے نہ ہندوستان سے ہمدردی تھی نہ پاکستان سے، نہ ریاست سے نہ رعایا سے۔ وہ تو آرام سے بیٹھ کر اپنی "موٹی" تنخواہ پر عیش کرنا چاہتا تھا اور بس۔ اب اس نے پر نکالنا شروع کئے اور کچھ ہم خیال مقامی لوگوں کے ساتھ کھلم کھلا پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ پاکستان کے ساتھ الحاق کی تمام کوششیں بے سود اور غلط ہیں۔ اس لئے ہندوستان کو دوستی کی پیشکش کرنی چاہئے۔ ساتھ ہی اس نے یہ زہر بھی پھیلایا کہ جوناگڑھ کی حکومت کے جو افراد پاکستان سے الحاق پر ڈٹے ہوئے ہیں (یعنی سرشاہنواز بھٹو اور میرے والد) وہ غیر ریاستی باشندے ہیں اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ جوناگڑھ کو اپنے صوبے (سندھ) کے ساتھ ملا دیں۔ جب حالات دگرگوں ہوں تو ہر جھوٹی بات سچی معلوم ہونے لگتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ مقامی لوگ بھی "عارضی حکومت" کے ساتھ مل گئے اور انہیں ریاست میں داخل ہونے پر آمادہ کرنے لگے۔ اس کے باوجود کسی کی ہمت نہ پڑی کہ جوناگڑھ کی سرحدوں کے اندر قدم رکھے البتہ اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں جب ہندوستان نے اچانک ماناودر پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا تو جوناگڑھ کے بارے میں اس کی نیت واضح ہونے لگی۔ ماناودر پر قبضے کے بعد یہی مناسب سمجھا گیا کہ نواب صاحب کو کراچی منتقل کر دیا جائے۔ اس لئے مجھے فوری طور پر کراچی سے ایک خصوصی طیارہ طلب کرنے کے لئے کہا گیا میں نے وائرلیس کے ذریعے پیغام بھجوایا اور خود کیشو دکے ہوائی اڈے پر پہنچ کر طیارے کا انتظار کرنے لگا اس دن اکتوبر کی 26 تاریخ تھی۔ 45 منٹ کے اندر اندر نواب مہابت خانجی اور شاہی خاندان کے چند افراد بذریعہ اسپیشل ٹرین کیشو د پہنچے اور شام چار بجے کے قریب طیارے میں بیٹھ کر کراچی روانہ ہوگئے۔ جو طیارہ نواب صاحب کو لے کر گیا تھا۔ اسے دوسرے روز صبح سویرے آنے کے لئے کہا گیا تاکہ ان کے باقی لواحقین کو بھی کراچی پہنچایا جا سکے۔ مجھے فون پر حکم ملا کہ کیشو د میں ہی ٹھہروں کیوں کہ دوسرے روز جانے والے شام تک وہاں پہنچ جائیں گے اور رات وہیں ریسٹ ہاؤس میں قیام کریں گے۔ ان کے آرام اور حفاظت کی ذمہ داری مجھ پر تھی۔ میں رات تک انتظار کرتا رہا مگر شاہی خاندان کا کوئی ایک فرد بھی کیشو د نہ آیا۔ البتہ دیوان صاحب کی صاحب زادی پہنچ گئیں اور ان کے علاوہ میری بیوی اور کمسن بچی بھی۔ دیوان صاحب کی صاحب زادی چونکہ وی آئی پی تھیں اس لئے میں نے تمام حفاظتی تدابیر اختیار کیں۔ ہندوستان کی افواج وہاں سے صرف 12 میل دور تھیں ان سے ہر قسم کی گھناؤنی حرکت کی توقع کی جا سکتی تھی۔

میں نے ریسٹ ہاؤس کے دونوں اطراف پولیس کی گارد لگا دی۔ اس کے علاوہ کچھ جوانوں کو کاروں میں بٹھا کر قریب ترین سرحدوں کی طرف روانہ کیا اور انہیں تاکید کی کہ ہندوستانی افواج کی نقل وحرکت پر نظر رکھیں اور انہیں سرحد کی طرف پیش قدمی کرتے دیکھیں تو کار کی پوری بتیاں جلا کر کیشو د کی طرف تیز رفتاری سے بڑھنا شروع کر دیں تاکہ ہمیں خطرے کی اطلاع دور ہی سے مل جائے اور ہم وہاں سے منتقل ہو جائیں۔ اس کے بعد میں نے خود رائفل اٹھائی اور رات بھر کبھی چھت کے اوپر اور کبھی ریسٹ ہاؤس کے گرد چکر لگاتا رہا۔ رات خیریت سے گزر گئی اور صبح سویرے جھنڈے والی کاروں کی آمد شروع ہوئی جوناگڑھ میں صرف شاہی خاندان کے افراد ہی کار پر جھنڈا لگا سکتے تھے۔ طیارہ کراچی سے صبح چھ بجے پہنچنا تھا مگر وہ کافی انتظار کے بعد 9 بجے نمودار ہوا۔ طیارہ رکتے ہی میں نے ولی عہد، بڑی بیگم اور دوسرے مسافروں کو اس میں سوار کرایا اور آخر میں خود بھی داخل ہو گیا کیوں کہ مجھے انہیں کراچی پہنچا کر واپس آنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس طیارے کا کل عملہ ایک پائلٹ اور ایک ریڈیو آفیسر پر مشتمل تھا۔ باقی تمام کام مجھے کرنے پڑے۔ میں نے اپنی شب بھر کی ساتھی رائفل، اردلی کے حوالے کی اور طیارے کا دروازہ بند کیا۔ اس کے بعد مسافروں کو حفاظتی بیلٹ باندھنے میں مدد دی اور پھر ان کی گھبراہٹ دور کرنے کے لئے ایک سے دوسرے کی طرف لپکتا رہا۔ کچھ دیر بعد طیارے کے انجنوں کے چلنے کی آوازیں آتی رہیں مگر طیارے میں کوئی حرکت محسوس نہ ہوئی۔ میں نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ میرے والد جو شاہی خاندان کو کیشو د پہنچانے آئے تھے باہر کھڑے تھے۔ کھڑکی میں انہوں نے میرا چہرا دیکھتے ہی آسمان کی طرف دیکھا، اور اشارہ کیا لیکن اس کا مطلب میں کچھ سمجھ نہ سکا۔ دریں اثنا پائلٹ کے کیبن کا دروازہ کھلا اور طیارے کا ہوا باز کیپٹن میکڈانلڈ میری طرف بڑھا۔ میں سمجھ گیا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ مسافروں کو مزید تشویش سے بچانے کے لئے میں نے وہاں کوئی بات نہ کی اور میکڈانلڈ کا بازو پکڑ کر اسے واپس کیبن میں لے گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ وہاں اس نے بتایا کہ ہندوستانی فضائیہ کے دو لڑاکا طیارے اوپر

پرواز کر رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ طیارے میں سب سے اہم مسافر کون ہے، ظاہر تھا کہ وہ نواب صاحب کی تلاش میں آئے تھے، کیونکہ ہمیں پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ جام صاحب نے ہندوستانی حکومت کو یقین دلایا ہے کہ اگر وہ کسی طرح نواب صاحب کو ان کے پاس لے آئیں تو وہ انہیں ہندوستان سے الحاق پر رضامند کر لیں گے۔ بہر حال اب چونکہ نواب صاحب کراچی میں محفوظ تھے میں نے میکڈانلڈ سے کہا کہ انہیں صحیح صحیح جواب دے دے اور بتا دے کہ سب سے اہم مسافر جوناگڑھ کے ولی عہد ہیں۔ ریڈیو آفیسر نے فوراً انہیں یہ اطلاع کر دی اور طیارے مزید ایک دو چکر لگانے کے بعد اپنے سرحدوں کی طرف چلے گئے۔

جوناگڑھ سے براہ راست کراچی آنے کے لئے ہندوستانی علاقے پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ اب خدشہ تھا کہ پرواز کے دوران ہندوستانی فضائیہ کے طیارے دوبارہ نمودار ہو کر ہمیں اپنے علاقے میں اترنے پر مجبور کریں گے۔ اس خطرے کے پیش نظر میکڈانلڈ نے کیشود سے پرواز کرتے ہی طیارے کا رخ افریقہ کی طرف کر دیا کچھ دیر بحر عرب پر پرواز کرنے کے بعد وہ دائیں طرف مڑا اور ساحل مکران کے قریب پاکستان کی حدود میں داخل ہو کر کراچی کا رخ اختیار کیا۔ اس چکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے دو گھنٹے کے ہم پورے تین گھنٹے کی پرواز کے بعد کراچی پہنچے۔ اس روز عیدالاضحیٰ تھی جو اسی عیاشی میں گزر گئی۔ نواب صاحب ایک روز پہلے کراچی پہنچے تھے اور ان کی رہائش کے لئے سندھ کے گورنر سر غلام حسین ہدایت اللہ نے اپنا ایک ذاتی بنگلہ خالی کروایا تھا۔ ہم چونکہ تقریباً بغیر اطلاع کے آدھمکے تھے اس لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ کسی ہوٹل کا رخ کریں۔ ان دنوں کراچی میں اچھے ہوٹل بھی اکا دکا ہی تھے۔ لہذا میں تمام مسافروں کو لے کر برسٹل ہوٹل پہنچا اور ان کیلئے بڑے آرام دہ کمرے حاصل کئے۔ نواب صاحب اپنی نجی ملکیت کے طور پر ایک کروڑ نو لاکھ چونتیس ہزار سات سو روپے (Rs.1,09,34700) مالیت کی برطانوی ہند کی سیکورٹیز " ضمانتیں " اپنے ساتھ کراچی لے گئے تھے۔ جوناگڑھ سے ان کی روانگی کے فوراً بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک آرڈیننس کے ذریعے ان سیکورٹیز کو گمشدہ ظاہر کر کے ریزرو بینک آف انڈیا کو اس کی متبادل ڈپلیکیٹ سیکورٹیز جاری کرنے کا اختیار دیا۔ اس کے ساتھ ہی ریزرو بینک آف انڈیا کی بمبئی برانچ میں ریاست جوناگڑھ کی طرف سے بطور ڈپازٹ رکھی گئی سات لاکھ روپے کی رقم بھی ضبط کر لی گئی۔ احکام کے مطابق مجھے ان لوگوں کو کراچی پہنچا کر فوراً واپس لوٹ آنا تھا اس لئے میں نے پہنے ہوئے کپڑوں

کے علاوہ کوئی اور سامان اٹھانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی لیکن کراچی پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد مجھے وائرلیس کے ذریعے پیغام ملا کہ ابھی کراچی ہی میں ٹھہروں اور مزید احکام کا انتظار کروں۔ اس کے بعد پیغام ملا کہ فلاں کام کر کے لوٹ آؤ، ابھی وہ کام ختم نہیں ہوا تھا کہ اور کام بتا دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا وائرلیس کے ذریعے پیغامات کا سلسلہ چلتا رہا اور میری واپسی ہر روز ملتوی ہوتی رہی۔ اس التوا کی حد تو یہ ہے کہ میں آج تک جوناگڑھ واپس نہیں لوٹ سکا، میں نے اس دوران کے چند واقعات کا ذکر عمداً نہیں کیا آخر ہر بات بتانے کی بھی تو نہیں ہوتی۔!!

نواب صاحب کی کراچی روانگی کے بعد 27 اکتوبر کو دیوان سر شاہنواز بھٹو نے قائداعظم کے نام ایک پیغام بھیجا جس میں انہیں تازہ ترین حالات کی سنگینی سے مطلع کیا گیا۔ اس پیغام میں بتایا گیا تھا۔ "ہمارے مالیات کے ذرائع مثلاً ریلوے اور کسٹم وغیرہ بالکل ختم ہو چکے ہیں۔ غذائی قلت نے حالات حد درجہ نازک کر دیئے ہیں اگرچہ پاکستان نے فیاضی کے ساتھ اناج بھیج کر ہماری امداد کی ہے کاٹھیاواڑ کی ریلوے لائن پر جو مسلمان سفر کرتے ہیں ان کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔" آگے چل کر وہ حالات بیان کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے نواب صاحب اور ان کے اہل وعیال کو جوناگڑھ چھوڑنا پڑا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "ہماری خفیہ پولیس کی یہ اطلاع ہے کہ نواب اور شاہی خاندان کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے" یہ اطلاع مینن صاحب کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہے کہ لوگ قانون اپنے ہاتھوں میں لے کر نواب صاحب اور شاہی خاندان کو ختم کر دیں گے دراصل وہ اپنے بنائے ہوئے پروگرام کے تحت اس قسم کی ہدایت جاری کر چکے تھے کیوں کہ عارضی سربراہوں کی یہی اسکیم تھی کہ بھارتی مسلح فوج کی مدد سے ریاست پر قبضہ کر کے نواب اور شاہی خاندان کی اہم شخصیتوں کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن وقت پر اطلاع موصول ہونے سے شرارت پسندوں کی اس اسکیم پر پانی پھر گیا۔ آگے چل کر سر شاہنواز بھٹو صاحب نے اس پیشکش کا ذکر کیا جو حکومت پاکستان کی طرف سے ریاست کے دفاع میں مدد بہم پہنچانے کی غرض سے کی گئی تھی" کوئی شبہ نہیں کہ حکومت پاکستان نے ہمیں کراؤن پولیس کی سات کمپنیوں کی پیشکش کی ہے لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ سپاہی یہاں آئے اور انہیں دشمن کی کثیر فوج سے دوچار ہونا پڑا تو یہ انسانی خون اور ساز وسامان کا ریگاں جانا ہوگا۔ حالات اتنے نازک ہو گئے ہیں کہ ذمہ دار لوگ زور ڈال رہے ہیں کہ اس دشواری کا کوئی حل ڈھونڈ نکالوں اس وقت میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ریاست کی مجلس وزراء کے سینئر ممبر کیپٹن ہاروے جونز آپ کو یہاں کے حالات سے مطلع کریں گے کہ حالات کس قدر نازک ہیں۔ یہ نازک مسئلہ باعزت طریقے سے سلجھ سکتا ہے۔ میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ وفادار رعایا کی مصیبتوں تباہیوں اور خونریزی کا موجب بنوں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے مجھے مطلق پروا نہیں کہ مجھ پر کیا گزرے گی لیکن میں مزید ذمہ داری لینے کو تیار نہیں ہوں۔ میری تجویز ہے کہ آپ فوراً ہندوستان اور پاکستان کے نمائندوں کی ایک کانفرنس طلب کریں۔" اس خط سے ریاست جوناگڑھ کے اس وقت کے حالات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ریاست کو چاروں طرف سے فوجی محاصرے میں لے لیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہندوستانی فوجی سپاہی عارضی حکومت کی آڑ میں ریاست کی حدود میں داخل ہو کر بے بس مسلم رعایا پر ظلم وستم برساتے اور ان کا مال واسباب لوٹ کر لے جاتے۔ ریاست کی چوطرفہ ناکابندی بھی کی گئی تھی تاکہ کسی بھی قسم کا مال ریاست میں

داخل نہ ہونے پائے۔شروع دنوں میں جو مال ریاست سے روانہ کیا گیا تھا اور جو مال ریاست کے لئے باہر سے آیا تھا وہ راستے ہی میں برباد کر دیا گیا۔ان ناکوں پر ریاست میں داخل ہونے والے لوگوں کی سختی سے تلاشی لی جاتی۔ان کی بے عزتی کی جاتی اور بلا وجہ روک دیا جاتا۔یہ کس کے حکم سے اور کس قانون کے تحت کیا جاتا تھا وہ سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں۔ایسے حالات میں بھارتی جنگی فوج جو تیس یا پینتیس ہزار سے کم نہ تھی اسکے مقابلے کی سوچنا بھی ناممکن تھا،عوام کی نظریں حکومت پاکستان کے اوپر لگی ہوئی تھیں۔انہیں قوی امید تھی کہ پاکستان کی طرف سے ضرور کارروائی کی جائے گی اور وہ تباہ حالی سے بچ جائیں گے لیکن وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ یہ امید بھی ختم ہوتی گئی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے سرشاہنواز بھٹو نے اپنے اس خط میں لکھا ہے"پاکستان سے الحاق کے بعد ہز ہائی نس نواب صاحب اور میرے پاس مبارکباد کے سیکڑوں تار آئے۔لیکن اب وہ لوگ سرد مہر نظر آرہے ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاٹھیاواڑ کے مسلمان پاکستان کے بارے میں اپنا ولولہ ختم کر چکے ہیں۔" سرشاہنواز بھٹو صاحب نے 31 اکتوبر 1947ء کو پاکستان کے سیکریٹری محکمہ خارجہ اکرام اللہ کو ایک خط لکھا جس میں بتایا گیا کہ "لوگ حد درجہ بددل اور مایوس ہو چکے ہیں"اسی اثنا میں بھارتی فوجوں کی نقل وحرکت تیزی اختیار کر رہی تھی۔وہ عارضی حکومت کی آڑ لے کر ان مقامات پر قابض ہو رہے تھے جو ہندو ریاستوں کے درمیان واقع تھے۔2 نومبر کو انہوں نے دلادر گڑھ پر قبضہ کر لیا جو جیت پور کی کاٹھی ریاست کے درمیان تھا۔اس قصبے کی آبادی نہایت غریب تھی اور ویسے بھی اس کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں تھا بستی کے لوگوں کو مار پیٹ کر ان سے ہندوستان زندہ باد کے نعرے لگوا کر انہیں چھوڑ دیا گیا اور پرچم لہرا کر یہ اعلان کیا گیا کہ اب یہاں ان کا حکم چلے گا اسی طرح چند ایک چھوٹے چھوٹے قصبوں پر قبضہ کرتے چلے گئے چونکہ کسی بھی مقام پر مقابلہ نہیں ہوا۔اس وجہ سے ان کی ہمت بڑھ گئی اور انہوں نے کسی بڑے شہر پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ان کی نظر شہر کتیانہ پر پڑی جو ریاست پوربندر کے قریب واقع تھا۔ان واقعات کی تفصیل نواب صاحب کو کراچی بھیجی گئی،نواب صاحب نے تار کے ذریعے اطلاع دی کہ سرشاہ نواز کو اختیار دیا جاتا ہے کہ حالات کے مطابق بطور خود وہ جو چاہیں کریں۔اس وقت قائداعظم لاہور میں تھے۔کشمیر میں جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی۔وزیراعظم لیاقت علی خان اور ریاست امور کے وزیر سردار عبدالرب نشتر بھی اس وقت کشمیر اور دیگر اہم معاملات میں مصروف تھے۔اس وقت کراچی میں وزارت ریاستی امور کے سیکریٹری جناب اکرام اللہ موجود تھے جو شاہنواز بھٹو کی کسی طرح بھی رہنمائی نہیں کر سکتے تھے۔ان سب پیغامات کی آمدورفت ویراول کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہر قسم کی جنگی صلاحیت سے محروم دو جہاز "گزمزا" "گوداوری" کے وائرلیس سیٹ کے ذریعے ہوتی تھی۔عارضی حکومت کے رضاکاروں نے 24 اکتوبر سے 2 نومبر تک ریاست جوناگڑھ کے دورافتادہ کل 36 گاؤں پر قبضہ کر لیا تھا اس دوران صرف دو گاؤں موٹی ہڑیا اور بھڈولہ میں سندھی محافظوں نے ان کا جانبازی سے مقابلہ کیا۔بھارت نے ریاست جوناگڑھ کے اردگرد اپنے فوجی دستے متعین کرنے کے علاوہ کاٹھیاواڑ کی دیگر ریاستوں سے بھی فوجی دستے طلب کئے تھے۔لیکن نوانگر کے سوا کسی بھی ریاست نے اپنے فوجی دستے اس کارروائی کے لئے نہیں بھیجے تھے۔پھر بھی بھارتی افواج کے دستے یا عارضی حکومت کے رضاکار کسی بھی ریاست کی حدود سے گزرتے تو ماسوائے بڑودا اور بھاؤنگر کی ریاستوں کے کسی اور ریاست کے حکمراں نے ان کی مخالفت کرنے کی جرات نہیں کی۔اس کے بعد کچھ رضاکار واپس آرہے تھے تب راہ میں بھاؤنگر کی پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا جس سے ہلچل سی مچ گئی۔بھاؤنگر کے دیوان وقت رائے پٹنی کو فوراً راجکوٹ طلب کیا گیا اور ان پر دباؤ ڈال کر ان رضاکاروں کو رہا کرالیا گیا۔سردار پٹیل نے اس کے فوراً بعد امرت رائے پٹنی کو بھاؤنگر کے دیوان کے عہدے سے برطرف کرایا۔بڑودا کے مہاراجہ پرتاب سنگھ راؤ اور گائیکواڑ سے ان کارروائیوں کی وجہ سے کچھ عرصے بعد بدلہ لیا گیا۔ریاست جوناگڑھ کی اقتصادی ناکابندی ہونے کے بعد گجرات اور کاٹھیاواڑ سے جو چند مسلم اخبارات اور جرائد شائع ہوتے تھے۔ان تمام پر ریاست آنے پر پابندی لگا دی گئی۔بڑی تعداد میں شائع ہونے والے ہندو ملکیت کے اخبارات وجرائد اور ابلاغ عامہ کے دیگر ذرائع بڑے زور وشور سے مخالفانہ پروپیگنڈا کر رہے تھے۔اس نقارخانے میں یوسف مانڈویا صرف ایک شہنائی لے کر کود پڑے اور پاکستان کی حمایت کا صور پھونکنے لگے۔کابینہ نے دیوان ریاست سرشاہنواز کو اختیار دیا کہ وہ اس سلسلہ میں ضروری قدم اٹھائیں۔7 نومبر کو سرشاہ نواز نے اپنی کابینہ کے سینئر ممبر کیپٹن ہاروے جونز کو راجکوٹ بھیجا تا کہ عارضی سربراہوں سے بات چیت کریں۔کیپٹن ہاروے جونز ضروری گفتگو کرنے کے بعد جوناگڑھ واپس آگئے۔انہوں نے بتایا کہ عارضی حکومت کا مطالبہ ہے کہ ریاست کا انتظام ان کے حوالے کر دیا جائے تو وہ حالات کو معمول پر لانے کی ذمہ داری لینے کو تیار ہیں۔مسٹر بچ نے امور ریاست ہائے ہند کے سیکریٹری مسٹر مینن کو فون کیا اور سرشاہ نواز بھٹو کے خط کی تفصیل سنائی اور یہ بھی بتایا کہ مسٹر یو،این ڈھیبر اور شامڑ داس وغیرہ سے مشورہ کیا گیا ہے اور ان کی رائے ہے کہ یہ پیشکش قبول کر لی جائے۔مینن نے پنڈت جواہر لعل نہرو سے ضروری مشورہ کیا۔ان کی رائے تھی کے عارضی طور پر ریاست کا انتظام سنبھال لیا جائے وزیراعظم پاکستان کے نام ایک تار بھیجا کہ حکومت ہند جوناگڑھ کے دیوان سرشاہنواز بھٹو کی درخواست پر حکومت اپنے ہاتھ میں لے رہی ہے لیکن حکومت ہند اس انتظام کو مستقل طور پر قائم رکھنا نہیں چاہتی اس کی خواہش ہے کہ باشندگان جوناگڑھ کی مرضی کے مطابق فوری اس مسئلے کا حل تلاش کیا جائے۔اس تار میں یہ خواہش بھی ظاہر کی گئی تھی کہ حکومت ہند اس مسئلے پر پاکستان کے نمائندوں سے پہلی امکانی فرصت میں گفتگو کرنے کے لئے تیار ہے۔سردار پٹیل استصواب رائے عامہ کے مخالف تھے ان کا خیال تھا کہ جوناگڑھ کو مال غنیمت سمجھ کر اس پر مستقل قبضہ کر لیا جائے جو واقعات بعد میں رونما ہوئے ان سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ گئی کہ حکومت ہند کا شروع سے یہی ارادہ تھا لیکن بین الاقوامی مجبوریوں کے باعث دکھاوے کی کاروائیاں کرتی رہی۔9 نومبر 1947ء کو ریجنل کمشنر راجکوٹ کو حکومت ہند کی طرف سے یہ ہدایت کی گئی کہ وہ ریاست کا

انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے۔مسٹر بچ کیپٹن ہاروے جونز کے ساتھ مع مسلح فوج بکتر بند گاڑیاں اور ٹینکوں کے شہر جوناگڑھ میں داخل ہوئے، مسلح فوج نے اپرکوٹ کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ ریاست کا انتظام امن وامان کے ساتھ کیپٹن ہاروے جونز اور چیف سیکریٹری مسٹر گھی والا نے اسی روز شام کو ان کے حوالے کر دیا۔اس کے ساتھ ہی شاہنواز بھٹو نے 8 نومبر کو حکومت پاکستان کو مزید ٹیلی گرام ارسال کیا جو ان کی جانب سے ارسال کردہ آخری ٹیلی گرام ثابت ہوا۔ یہ ٹیلی گرام مندرجہ ذیل الفاظ پر مشتمل تھا۔

"حالات سنگین ہیں، عارضی حکومت نے بیس ہزار مسلح سپاہیوں اور ٹینکوں کے ذریعے ہمیں کچل ڈالنے کی دھمکی دی ہے گزشتہ شب مزید اس قسم کی دھمکی دی گئی ہے کہ عارضی سرکار کی تابعداری قبول نہ کی گئی تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔ ریاست کو ختم کر دیا جائے گا۔کوئی دوسرا راستہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے راجکوٹ میں مقیم علاقائی کمشنر جو بھارتی حکومت کے نمائندے ہیں انہیں کہا ہے کہ متعلقہ مسائل کے پرامن حل کے لئے اور نظم وضبط کے تحفظ کے لئے اور جونریزی کو روکنے کے لئے ہماری مدد کریں۔"

وزیراعظم سرشاہنواز کے کراچی روانہ ہوتے ہی شہر کے اہم مقامات پر فوجی پہرے قائم کر دیئے گئے۔سرکاری خزانہ اور توشہ خانہ سربمہر کر دیا گیا اور رات ہی رات میں ریاستی پولیس اور انفنٹری وغیرہ کا تمام اسلحہ اپنے قبضے میں لے لیا گیا۔ ریاست کے تمام مسلمانوں کو ان کی قدیمی بندوقیں تلواریں حتیٰ چھری چاقو حکومت کے حوالے کر دینے کا حکم صادر کر دیا گیا۔ بوڑھے اور اپاہج اپنے سہارے کے لئے لکڑی لے کر بھی باہر نکل سکتے تھے۔

سَر شاہنواز بھُٹّو کا احوال

ریاست جوناگڑھ کے دیوان (وزیراعظم) سرشاہنواز بھٹو 3 مارچ 1888ء میں ضلع لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔ وہ پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے والد اور پاکستان کی دومرتبہ بننے والی وزیراعظم بےنظیر بھٹو کے دادا تھے۔سرشاہنواز بھٹو کی ایک صاحبزادی کا نام بھی بےنظیر بھٹو تھا جو 1930ء میں پیدا ہوئیں اور 1945ء میں 15 سال کی عمر میں انتقال کر گئی تھیں۔سرشاہنواز بھٹو کی سات صاحبزادیاں محترمہ امتیاز بھٹو، محترمہ ارشاد بھٹو، محترمہ ملک جان بھٹو، محترمہ نور جہاں بھٹو، محترمہ ممتاز محل بھٹو، محترمہ منور بھٹو اور محترمہ بےنظیر بھٹو تھیں جب کہ تین صاحبزادے امداد علی بھٹو، سکندر علی بھٹو اور ذوالفقار علی بھٹو تھے۔

سرشاہنواز بھٹو 1921ء سے 1934ء تک بمبئی کیجلیٹیو اسمبلی کے رکن رہے۔مورلے منٹو اصلاحات کے سلسلے میں منعقد کی گئی امپیریل کانفرنس میں انہوں نے سندھ کی نمائندگی کی تھی 1935ء سے 1936ء تک وہ صوبہ بمبئی کی کابینہ میں شامل رہے۔اور سندھ کی علیحدگی کے معاملے میں قانونی مشیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔سرشاہنواز بھٹو سندھ کی ایک عظیم شخصیت تھے۔انہوں نے لندن کی گول میز کانفرنس میں حصہ لیا اور ایک شاندار تقریر بھی کی۔انہیں حکومت برطانیہ کی طرف سے "سر" کا خطاب دیا گیا۔ برطانوی ہند کے اس وفد میں سرشاہنواز بھٹو کے علاوہ قائداعظم محمد علی جناح، موہن کرم چند گاندھی، سرعلامہ محمد اقبال اور آغا خان سوم بھی شامل تھے۔ 1936ء میں سندھ کا علیحدہ صوبہ وجود میں آنے کے بعد وہ گورنر کے مشیر اعلیٰ بن گئے۔ 1937ء کے الیکشن میں انہوں نے اتحاد پارٹی کے نائب صدر کی حیثیت سے حصہ لیا اس کے بعد وہ تقریباً ایک دہائی تک بمبئی سندھ پبلک سروس کمیشن کے رکن کے طور پر فرائض انجام دیتے رہے۔اس وقت ریاست جوناگڑھ کے دیوان خان بہادر عبدالقادر محمد حسین تھے۔ 1940ء سے وہ ریاست جوناگڑھ کے دیوان کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ 1946ء میں ان کو اپنی علالت کے باعث ولایت (انگلستان) جانا پڑا لہٰذا اب نواب مہابت خانجی کو ایسے قابل اعتماد آدمی کی ضرورت تھی جو ریاست جوناگڑھ کے دیوان کے فرائض سے بخوبی عہدہ برا ہو سکے۔سرشاہنواز بھٹو سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے اور اسی لیے 1946ء میں انھوں نے سرشاہنواز بھٹو کو جوناگڑھ کی کابینہ میں شامل کر لیا تھا۔اس طرح سرشاہنواز بھٹو نے برصغیر کے اہم ترین تاریخ ساز دور میں سیاست کے میدان میں اپنی سیاسی کارکردگی کا دوبارہ آغاز کیا۔سرشاہنواز بھٹو نے مئی 1947ء کو ریاست جوناگڑھ کے دیوان کا عہدہ سنبھالا تھا۔ان دنوں تقسیم ہند کے باعث حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے اور نواب مہابت خانجی متفکر رہنے لگے تھے۔سرشاہنواز بھٹو نواب صاحب کی ہمت بڑھاتے اور انہیں حوصلہ دیتے رہتے تھے۔ریاست جوناگڑھ کا پاکستان سے قانونی اور آئینی طور پر الحاق ہو چکا تھا جو سامراجی ذہنیت رکھنے والے ہندرہنماؤں کو ناگوار گزرا تھا اور انہوں نے ریاست کے خلاف ناجائز اور غیر قانونی طریقے استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے ایک طرف تو عوام کو خوفزادہ کرنے کی چالیں چلی جارہی تھیں تو دوسری طرف ریاستی امور کے سیکریٹری وی پی مینن کو امن وآشتی کا قاصد بنا کے جوناگڑھ بھیجا گیا وہ نواب مہابت خان کو پیار ومحبت اور دھونس دھمکیوں سے پاکستان سے الحاق ختم کرنے کے مشن پر جوناگڑھ بھیجے گئے تھے۔وی پی مینن 19 ستمبر 1947ء کو جوناگڑھ پہنچے اور نواب مہابت خانجی کی علالت کے باعث دیوان شاہنواز بھٹو سے ملاقات کی وی پی مینن نے مختلف دلائل سے سرشاہنواز بھٹو کو پھانسنہ چاہا لیکن انہیں بری طرح ناکامی ہوئی۔شاہنواز بھٹو نے وی پی

مینن کے مختلف دلائل کے جواب میں کہا کہ چونکہ ریاست کا پاکستان سے الحاق ہو چکا ہے اس لئے مزید بات چیت دونوں ڈومینن کے درمیان ہونی چاہئے اور وی پی مینن ناکام ہو کے واپس چلے گئے ۔اس کے بعد ریاست جوناگڑھ کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے اور نواب مہابت خانجی کو بحالت مجبوری کراچی روانہ ہونا پڑا۔نواب مہابت خانجی کی کراچی روانگی کے بعد 27 اکتوبر 1947ء کو دیوان سر شاہنواز بھٹو نے قائداعظم محمد علی جناح کے نام ایک پیغام بھیجا جس میں انہیں تازہ ترین حالات کی سنگینی سے آگاہ کیا گیا تھا شاہنواز بھٹو نے 31 اکتوبر 1947ء کو پاکستان کے سیکریٹری خارجہ اکرام اللہ کو بھارتی فوج نقل وحرکت اور مختلف علاقوں پر قبضے کے بارے میں بتایا ۔پھر 8 نومبر 1947ء کو شاہنواز بھٹو نے حکومت پاکستان کو مزید ٹیلی گرام ارسال کئے اور سنگین حالات سے مطلع کیا اور وہ خود بھی کراچی روانہ ہو گئے شاہنواز بھٹو نے کراچی آنے کے بعد ریاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور سانحہ جوناگڑھ کے ٹھیک دس سال بعد 19 نومبر 1957ء کو 69 سال کی عمر میں انتقال کر گئے ۔سر شاہنواز بھٹو کو نوڈیرو کے قریب کے آبائی قبرستان گڑھی خدا بخش میں سپرد خاک کیا گیا۔

سر شاہنواز بھٹو کے بارے میں سندھ کی ممتاز شخصیات ایم اے کھوڑو، سید میران محمد شاہ یوسف اے ہارون، سید غلام مصطفیٰ شاہ، ڈاکٹر جی اے الانہ، عبدالغفور بھرگڑھی، پیر سڑ کمال الدین اظفر، کریم بخش خالد اور سابق سینیٹر حسین شاہ راشدی نے اخبارات جرائد میں مضامین تحریر کئے ہیں جن میں ان کی تحریک پاکستان اور صوبہ سندھ سے متعلق ناقابل فراموش خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ 8 نومبر 1998ء کو سر شاہنواز بھٹو کی شخصیت اور خدمات سے متعلق ہوٹل آواری ناور میں ایک قومی سیمینار منعقد کیا گیا تھا جس کی سرپرست محترمہ بے نظیر بھٹو تھیں ۔سیمینار کے صدر سید غلام مصطفیٰ شاہ اور کوآرڈی نیٹر سابق سینیٹر حسین شاہ راشدی تھے جب کہ سیمینار کی آرگنائزنگ کمیٹی مسز عزیز غلام مصطفیٰ شاہ، محمد ابراہیم جویو، سراج الحق میمن، ڈاکٹر اعجاز قریشی، این اے پیر آفتاب شاہ جیلانی، سینیٹر غلام قادر چانڈیو، عبدالغفور بھرگڑی ایڈوکیٹ اور عبدالرزاق سومرو ایڈوکیٹ پر مشتمل تھی۔

اِستصواب رَائے کا ڈھونگ اور تباہی

10 نومبر کو ہند کی کابینہ کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں جوناگڑھ کے واقعات پر غور کیا گیا کہ حکومت ہند جوناگڑھ میں استصواب رائے عامہ کرائے گی لیکن پاکستان کو اس میں شامل نہیں کیا جائے گا یا۔کافی حد تک تعجل سے انجام تک پہنچایا جائے گا، یہ تجویز بھی محض دنیا کو دھوکا دینے کی غرض سے پاس کی گئی تھی ۔ریاست کا انتظام ہاتھ میں آتے ہی مالک بن بیٹھے ۔ریاست کے مسلمانوں کو ظلم وتشدد کا شکار بنایا گیا ان کا مال واسباب لوٹا گیا ۔جگہ جگہ کشت وغارتگری اور بربریت کے مظاہرے کئے گئے عورتوں کی عصمت دری کی گئی، بے گناہوں کو جیل میں بند کر دیا گیا امن وامان قائم رکھنے والوں نے وہ قیامت برپا کی کہ مسلمانوں کے ہزاروں کے قافلے کے تباہ حالی کے عالم میں ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے بعد میں بھارتی فوجوں کی بندوقوں کی نوک پر استصواب رائے عامہ کا ڈھونگ رچایا گیا۔

13 نومبر کی شب شری پٹیل جوناگڑھ تشریف لے گئے تو ان کے استقبال کے لئے بہاؤالدین کالج کے میدان میں ایک جلسہ عام کا انعقاد ہوا شری پٹیل نے قائداعظم کے خلاف جی کھول کر زہر اگلا اور بعد میں فرمایا کہ حکومت ہند ریاست کے عوام کا فیصلہ تسلیم کرے گی ۔بتایئے آپ کیا چاہتے ہیں ۔پاکستان سے الحاق یا ہندوستان سے؟ کہا جاتا ہے کہ دس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے ہندوستان کے حق میں رائے دی۔آٹھ لاکھ کی آبادی میں صرف دس ہزار اور وہ بھی شری پٹیل کے استقبالیہ جلسہ میں ۔استصواب رائے کا یہ انوکھا طریقہ ہندوستان ہی کا حصہ ہے ۔بعد ازاں مسلمان رعایا کو تباہ وبرباد کر کے اور پاکستان ہجرت کرنے پر مجبور کر کے 20 فروری 1948ء کو صرف بھارتی حکام کی نگرانی میں رائے شماری کرائی گئی ۔وہ طریقہ استعمال کیا گیا جس سے پتا چل سکے کہ رائے دینے والے نے کس کے حق میں رائے دی ایک لاکھ نوے ہزار آٹھ سو ستر افراد اپنا حق رائے دہی استعمال کیا جس میں اکیانوے آدمیوں نے پاکستان کے حق میں رائے دی ایسے ماحول میں ایک بھی رائے پاکستان کے حق میں آنا تعجب خیز بات تھی۔

شامڑ داس گاندھی نے اس وقت استقبالیہ تقریر میں کہا:۔

"جوناگڑھ کی فتح کا تمام تر سہرا صرف سردار پٹیل کے سر ہے انہوں نے ہر قدم پر میری رہنمائی کی اور ہر قسم کی امداد دی۔ "شامڑ داس گاندھی نے وہ تلوار جو انہیں بمبئی میں دی گئی تھی، سردار پٹیل کے قدموں میں رکھ دی اور کہا:۔"عارضی حکومت کا کام مکمل ہونے کی وجہ سے میں یہ تلوار آپ کے قدموں میں رکھتا ہوں ۔" سردار پٹیل نے اس جلسے میں کہا کہ ریاست جوناگڑھ کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا ہے یا بھارت کے ساتھ، یہ طے کرنے کے لئے ہم جلد ہی رائے عامہ کا اہتمام کریں گے۔ جوناگڑھ کو پاکستان کیسا تھ الحاق کرنا ہے یا بھارت کے ساتھ اس کا فیصلہ ابھی اور اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جن کو بھارت کے ساتھ شامل ہونا ہو وہ اپنے ہاتھ اوپر کر لیں (تمام ہاتھ بلند ہو گئے) اب جن کو پاکستان کے

ساتھ شامل ہونا ہو وہ ہاتھ اونچے کرے (ایک بھی ہاتھ بلند نہ ہوا)۔ یہ ہے رائے عامہ معلوم کرنے کا آسان طریقہ، آٹھ لاکھ کی آبادی میں سے صرف دس ہزار کے لگ بھگ لوگوں نے ہندوستان کے حق میں رائے دی اور وہ بھی شری پٹیل کے استقبالیہ جلسے میں جسے حتمی سمجھ لیا گیا۔ سردار پٹیل نے مزید کہا کہ جوناگڑھ کے مسلمانوں کو اب بھی پاکستان سے دوستی کا شوق ہو تو وہ نواب جوناگڑھ کی طرح پاکستان چلے جائیں۔ یہاں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ سردار پٹیل نے اپنی طویل تقریر کے آخر میں میمن برادری کا بالواسطہ ذکر کرتے ہوئے انہیں دھمکی دی۔ "میں جانتا ہوں کہ میمنوں اور خواجوں نے مسلم لیگ کی بھرپور مدد کی ہے میں ان سے کہوں گا کہ بیتی ہوئی باتیں بھول جائیں اور تمھارے پاس جو اسلحہ ہے اسے ہمارے سپرد کر دو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اس کے نتائج تمہی کو بھگتنے پڑیں گے۔ سردار پٹیل نے اس تقریر میں پاکستان اور بھارت کے مسلمانوں کو یہ یادگار دھمکی دی تھی۔ "ہمیں کسی کے ساتھ لڑنا نہیں ہے ہمیں سب ملکوں کے ساتھ امن و امان سے رہنا ہے۔ پاکستان کو لڑنے کا جوش ابلتا ہو تو وہ لڑے۔ ہم نے تو اس مسئلے پر مکمل غور و فکر کیا ہے۔ ہند میں چار کروڑ مسلمان ہیں ان چار کروڑ مسلمانوں کا (پاکستان کو) خیال رکھنا چاہئے۔ "مجاہد" مانڈویا کا نجی اخبار تھا۔ اس کے باوجود بھی اس کے پاکستان کی حمایت میں پر زور پروپیگنڈے کے باعث اس کو حکومت پاکستان کا اخبار سمجھا جاتا تھا۔ یہ بات بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ شاہنواز بھٹو نے اپنی روانگی سے قبل ایک میٹنگ طلب کی تھی جس کے لئے ویراول سے جمعیت کے سیکریٹری اختر ایل ایل بی، جمعیت کی ویراول شاخ کے صدر بادشاہ میاں حاجی یوسف مکلائی اور عثمان کھانڈ والا 8 نومبر کو بعد از دوپہر کار کے ذریعے جوناگڑھ کی جانب روانہ ہوئے۔ ویراول سے جوناگڑھ پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ اس جگہ پہنچے جہاں کیشو دائیر پورٹ کی طرف جانے والی سڑک بڑی شاہراہ سے ملتی ہے۔ وہ ابھی اس سنگم سے دور تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ جوناگڑھ کی جانب سے ریاست کی ایک کار آرہی ہے جو ایئر پورٹ کی طرف مڑ گئی۔ اس کار میں سر شاہنواز بھٹو سوار تھے۔ جو کیشو دے پاکستان جانے والے آخری پاکستانی جہاز میں کراچی جا رہے تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں میٹنگ کا آغاز ہوا جس میں جمعیت کے صرف ویراول شاخ کے نمائندے آئے تھے۔ اس کے علاوہ جمعیت کے جوناگڑھ شہر کے چند رہنما بھی موجود تھے۔ اس میں قاضی اختر، بابا جور، ترک نور محمد کاپڑیا، سیٹھ محمد نور محمد اور گاہا بھا کے دربار سید عبداللہ، محمد پاؤیلا اور کیشو د کے دو میمن رہنما بھی شامل تھے۔ کونسل کے سرکاری ممبران میں سے صرف میجر ہاروے جونز کے علاوہ ریاست کی طرف سے جناب اسمٰعیل ابراہانی، وزیر قانون اور پولیس کے سربراہ عبدالمجید خان نقوی اور دو چار انتظامی امور کے افسران شامل تھے۔ ابراہانی اور نقوی کے سوا تمام اعلیٰ حکام اور افسران اس سے قبل جوناگڑھ چھوڑ کر جا چکے تھے۔ کونسل کی میٹنگ بعد از مغرب شروع ہوئی۔ حالات کا مزید ایک بار تفصیل سے جائزہ لیا گیا لیکن ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی اور راہ نظر نہیں آئی۔ اس دوران نواب صاحب نے ویراول کی بندرگاہ پر لنگر انداز "گزمدر" اور "گوداوری" کے وائرلیس کی معرفت پیغام بھیجا۔ "میں اپنے عوام کی خونریزی نہیں چاہتا۔ ریاست جوناگڑھ کو احتجاج کے ساتھ بھارتی یونین کے سپرد کر دیا جائے۔"

یہ پیغام ویراول سے بذریعہ جیپ فوری طور پر جوناگڑھ پہنچایا گیا۔ یہ پیغام ملتے ہی میٹنگ کے پاس اب صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا وہ کام شاہنواز بھٹو کے کراچی روانہ ہونے سے پہلے نیلم بیچ کے نام لکھے گئے خط کی منظوری دینا تھا۔ اس کے بعد مسٹر ہاروے جونز اور عبدالمجید خان نقوی نے ضروری دستاویزات تیار کیں اور اس پر میٹنگ میں موجود تمام شرکاء کے دستخط لئے۔ بعد میں مسٹر ہاروے جونز ان دستاویزات کو لے کر راجکوٹ روانہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی بابی خاندان کی آخری میٹنگ ختم ہوئی اور تمام نمائندگان اپنے مستقبل کی فکر و تشویش دل میں لئے منتشر ہو گئے۔

جوناگڑھ پر قبضہ کے ساتھ ہی پنڈت نہرو نے لیاقت علی خان کو یہ تار بھیجا۔

"حکومت بھارت نے مکمل بدامنی کو روکنے کے لئے دیوان سر شاہنواز کی درخواست قبول کر لی ہے لیکن حکومت بھارت یہ انتظام جاری رکھنا نہیں چاہتی اور جوناگڑھ کے عوام کی خواہش کے مطابق اس مسئلہ کا فوری حل تلاش کرنا چاہتی ہے ہم جوناگڑھ سے متعلق مسائل کے بارے میں پاکستان کے نمائندوں سے جلد از جلد مذاکرات تیار ہیں۔"

11 نومبر کو لیاقت علی خان نے اس تار کا حسب ذیل جواب بھیجا۔

"جوناگڑھ کے پاکستان سے باقاعدہ الحاق کرنے کی وجہ سے دیوان یا خود نواب صاحب بھی بھارت کے ساتھ اس معاملے میں کوئی بھی ہنگامی یا مستقل سمجھوتا نہیں کر سکتے۔ پاکستان کی منظوری کے بغیر بلکہ اس کو مطلع کئے بغیر ریاست جوناگڑھ میں افواج بھیجنے کی اور اس کا انتظام سنبھالنے کی کارروائی پاکستانی سرزمین اور بین الاقوامی قوانین کی سر عام خلاف ورزی ہے۔ دونوں ڈومینین کے نمائندگان کی میٹنگ میں پاکستان صرف اسی شرط پر موجود رہ سکتا ہے کہ ریاست سے بھارتی افواج ہٹا دی جائے۔ نواب کی حکومت کو دوبارہ بحال کیا جائے اور ریاست کے اندر اور باہر حسب معمول حالات دوبارہ قائم کئے جائیں اور عارضی حکومت کی سرگرمیاں بند کرا دی جائیں۔" اس تار کے جواب میں پنڈت نہرو نے بے جان دلائل پیش کئے کہ ریاست کے حکام کے ذریعے پاکستان کو حالات کی تفصیل ضرور مل گئی ہوگی۔ نیز کہ حکومت ہند ریاست کو اپنے قبضے میں نہ لیتی تو عارضی حکومت والے لوٹ مار اور کشت و خون مچا دیتے نہرو نے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ گو حکومت ہند نے عارضی حکومت کو تسلیم نہیں کیا تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عارضی حکومت

والے ریاست کی رعایا کے نمائندے ہیں۔ حکومت ہند سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ باشندگان ریاست سے جنگ شروع کر دے جو اپنے بنیادی حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں۔ یہ تھے وہ دلائل جو ریاست پر جارحانہ قبضے کے حق میں پیش کئے گئے تھے عارضی حکومت میں ریاست کا صحیح باشندہ کوئی بھی نہ تھا اور یہ بات حکومت ہند بخوبی جانتی تھی نیز عارضی حکومت کی فوج کے رضا کار بھارتی فوج کے تنخواہ دار سپاہی تھے ان کو اسلحہ اور ساز و سامان حکومت کی طرف سے ہی دیا جاتا تھا۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ پاکستان نے پنڈت نہرو کے ان بے بنیاد دلائل کو ماننے سے صاف انکار کر دیا اور حقائق پر مبنی اپنے دعوے کو دہرایا کہ جوناگڑھ مملکت پاکستان کا ایک حصہ ہے۔ اس وقت تک ریاست میں امن و امان قائم تھا جس وقت ہندوستان کا قبضہ ہوا۔ قبضہ ہوتے ہی بربریت اور سفاکی کے مظاہرے ہونے شروع ہوئے پہلے سے ہی ان کی نظریں ان شہروں پر تھیں جہاں مالدار تاجر طبقہ آباد تھا۔ ان کا مقصد تھا کہ ان آبادیوں کو منظم طریقے سے لوٹ لیا جائے تاکہ وہ تہی دامن ہو جائیں اور جو لوگ با اثر سیاسی کارکن ہیں ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس قسم کی وارداتیں بہت سے مقامات پر ہوئیں جس طریقے سے یہ وارداتیں عمل میں آئیں وہ دیکھنے سے یہ اندازہ ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ یہ سب کچھ باقاعدگی سے تیار کی ہوئی اسکیم کے تحت ہوا۔ جوناگڑھ پر قبضے کے بعد میمن برادری دو بڑے دولت مند شہروں کتیانہ اور بانٹوا میں وسیع پیانے پر لوٹ مار کی گئی تھی۔ اس لوٹ مار میں عارضی حکومت میں شامل لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور بڑی بے دردی سے اس شہر کو لوٹا تھا۔ پرانے زمانے میں بھی شہر کتیانہ آباد اور بارونق تھا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں سے شری کرشن نے رکمنی کو اغوا کیا تھا۔ ان کے خسر راجہ بھشماک کا پایۂ تخت بھی یہی شہر تھا کورو اور پانڈو ور بھی اس جگہ کچھ عرصہ مقیم رہے سلطان محمود بیگڑا کے شہزادے مظفر شاہ کو یہ مقام اس کی آب و ہوا کے باعث بے حد پسند تھا۔ قدیم زمانے میں اس شہر کا نام بھدراوتی تھا۔ پرانے شہر کے کھنڈرات آج بھی نئے شہر سے ایک میل فاصلے پر نظر آتے ہیں۔ اس شہر کا نام شہزادہ مظفر کے نام سے کچھ وقت تک مظفر آباد بھی رہا، لیکن سلطانوں کی حکومت کے ساتھ اس نام کا بھی قلیل عرصے میں خاتمہ ہو گیا۔ ایک عام روایت کے مطابق اس شہر کا نام آہیر قوم کی ایک خوبصورت لڑکی کنتی کے نام سے منسوب ہو کر کتیانہ ہوا، اس شہر میں 25 ہزار کے قریب مسلمان آباد تھے جن میں یہ بیشتر ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں نیز بیرونی ممالک میں کاروبار کرتے تھے۔ ان باشندوں کی پچاس سال کی آمدنی نے اس شہر کو کافی خوشحال اور مالدار بنا دیا تھا۔ عوام پاکستان کیلئے زبردست ولولہ رکھتے تھے جب ریاست نے پاکستان سے الحاق کیا تو اس شہر میں مسلسل ایک ہفتے تک جشن منایا گیا اور مکانوں، دکانوں پر چراغاں کیا گیا۔ شاید یہی وجہ تھی جس کے باعث اس شہر کو سب سے زیادہ نقصان بھگتنا پڑا عارضی حکومت کے شرارت پسند اور ان کے ساتھیوں نے اس شہر کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے کئی دن پہلے بنا رکھے تھے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے موقع کے منتظر تھے۔ 6 نومبر 1947ء کی شام کو تقریباً ڈیڑھ سو سے دو سو افراد قریب کی ہندو ریاست کی لاریوں میں بھر کر اس شہر کو لوٹنے کے ارادے سے آپہنچے سب سے اول ریاست کے خزانے پر حملہ کیا اور ایک چوکیدار کو جان سے مار دیا۔ لیکن دوسرے چوکیدار نے چھت پر سے گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ اس گولیوں کی بوچھاڑ نے ان کو حواس باختہ کر دیا اور وہ موٹر لاریاں بھی چھوڑ کر بھاگ نکلے انہیں اس کشمکش و پیچ کے عالم میں زیادہ دیر رہنا نہیں پڑا 9 نومبر کی شام کو ریاست پر ہندوستان کا قبضہ ہوا۔ دس کی صبح یعنی دوسرے ہی دن شہر کتیانہ کے مسلمان بندوقوں اور مشین گنوں کی آوازوں سے چونک کر نیند سے اٹھے صبح کے ابھی پانچ بھی نہ بجنے پائے تھے اور کسی مسجد میں ابھی اذان بھی نہیں ہوئی تھی کہ تقریباً دو ڈھائی ہزار کا ایک دھاڑا جو بندوقوں مشین گنوں اور لاٹھیوں سے مسلح تھا شہر بھر میں پھیل گیا چاروں طرف سے بندوقوں مشین گنوں کے چھوٹنے کی آوازیں زور زور سے دروازے کھٹ کھٹانے کی آواز اور اس کے ساتھ ساتھ جے ہند اور مہاتما گاندھی کی جے کے نعروں نے مسلمانوں کے بچے بچے کو نیند سے چونکا دیا، خوف و ہراس سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں گھروں میں حواس باختہ ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ہر شخص کے دل میں یہی سوال پیدا ہو رہا تھا کہ اب کیا ہوگا؟ ایک مسجد سے اذان شروع ہوئی اور آواز سنتے ہی دس بیس لوگ مسجد میں گھس گئے مئوذن کو خوب مار پیٹ کر اس سے اذان کے بجائے جے ہند کے نعرے لگوائے مسجد کے سامان کو توڑ پھوڑ دیا قرآن اور حمائل شریف وغیرہ کا ڈھیر لگا کر اس کو آگ لگا دی۔ اس کرتوت پر خوشیاں مناتے دوسری طرف چل نکلے راستے میں جو مسلمان ہاتھ آ جاتا اس کی بھی بڑی گت بنتی پیٹتے جاتے اور جے ہند اور مہاتما گاندھی کی جے کے نعرے لگواتے جاتے کافی دیر تک یہ شور وغل جاری رہا۔ کئی مسجدوں کی بے حرمتی کی گئی دکانوں کے تالے توڑے گئے اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ ایک گروہ شہر کے مشہور سیاسی کارکن قاضی تاج الدین کے گھر پہنچ گیا، قاضی تاج الدین کتیانہ شہر کی جمعیت المسلمین کے صدر تھے اور کئی سال سے عوام کی خدمت کر رہے تھے۔ ان کو گھر سے باہر بلوایا گیا اور جیسے ہی انہوں نے اپنے گھر سے باہر قدم رکھا وہ ان پر ٹوٹ پڑے اور کلہاڑیوں اور لاٹھیوں سے حملہ شروع کر دیا۔ حملے کی تاب نہ لا کر قاضی صاحب زمین پر گر پڑے ان کے گرتے ہی ان کے جسم کو گولیوں سے چھلنی کر دیا اس سے بھی ان بھیڑیوں کی تسکین نہیں ہوئی۔ انہوں نے مردہ جسم سے ناک، کان، ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر علیحدہ کر دیئے اور لاش کی جس قدر بے حرمتی کر سکتے تھے کی۔ اس کو خوب پاؤں تلے روندا اور اپنے اس وحشیانہ کارنامے پر خوش ہوتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ کوئی امکان نہیں تھا کہ کسی بھی طرف سے ان بیچارے مسلمانوں کو کوئی مدد مل سکے کتیانہ اس طرح سے واقع تھا کہ ہر تین اطراف ہندو ریاستوں کی سرحدیں ملتی تھیں چوتھی طرف منگرول مانا وادر کی سرحدیں ملتی تھیں جن پر بھارتی فوج کا پہلے ہی قبضہ ہو گیا تھا۔ کتیانہ پہنچنے کے لئے جو ریلوے اسٹیشن تھا وہ بھی شہر سے چار میل دور تھا جسے ان غنڈوں نے اگلے دن جلا دیا اور ریلوے کی پٹریاں اکھاڑ کر رکھ دیں تاکہ کوئی ٹرین بھی اس طرف سے نہ آ سکے، اس کے علاوہ تمام ریاست کے مسلمان مصیبت میں تھے۔ کوئی چوں بھی نہ کر سکتا تھا۔ ٹیلی گراف کے تار بھی کاٹ دیئے گئے تھے اس طرح ڈاک و

تا رکا سلسلہ بھی ختم ہو چکا تھا یہ لوٹ مار کا بازار صبح سے شام تک برابر جاری رہا اور اس دوران میں مقامی حکام نے تماشا دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ انہیں بھی یہ منظور تھا کہ مسلمان تباہ وبرباد ہو کر ہجرت کر جائیں۔ چند سندھی مسلمانوں نے مزاحمت کی انہیں یہ بات بے حد ناگوار گزری کہ بھنگی اور چمار بھی ان کی خودداری کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ انہوں نے حملہ آوروں کا کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن ان کے بدلے نہ صرف ان پر بلکہ ان کی برادری کے تمام لوگوں پر قیامت ٹوٹ پڑی ان میں سے بیشتر لوگوں کو پکڑ کر ویران جگہ پر لے جا کر گولی سے اڑا دیا گیا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی ان درندوں نے نہیں چھوڑا۔ ان کی بھی پٹائی کی گئی سر بازار انہیں بے عزت کیا گیا دیہاتوں میں سے بھی اس برادری کے لوگوں کو چن چن کر گولی ماردی گئی عورتوں اور بچوں کو بھی پکڑ کر شہروں کی جیلوں میں بند کر دیا اور دو مشہور دیہات جن میں صرف سندھی مسلمان آباد تھے ان کو خالی کروا کر ان پر بل ڈوزر چلوا دیئے تا کہ ان کا نام ونشان باقی نہ رہنے پائے۔ اس بربریت اور شقاوت کے مظاہروں نے مسلمانوں کی کمر توڑ دی۔ ان کے لئے وہاں رہنا مشکل ہو گیا۔ وطن کو خیر باد کہنے کے سوا اور کوئی راستہ نہ رہا۔ اپنا بچا کھچا سمیٹ کر انہوں نے پاکستان کی راہ لی کچھ لوگ جوناگڑھ ہوتے ہوئے روانہ ہوئے اور کچھ لوگوں نے نزدیک کی ہندو ریاست پور بندر کی راہ لی، جو لوگ پور بند پہنچے وہ تکلیف سے بچ گئے۔ وہاں کے مسلمانوں نے اور افسران نے ان کی کافی مدد کی اور جوں توں کر کے وہ پاکستان پہنچے۔ بہت سے لوگوں کا سب کچھ ہندو بھیڑیوں کی بربریت کی نذر ہو چکا تھا ان کے پاس اتنا بھی پیسہ نہیں تھا کہ وہ پاکستان تک پہنچتے وہ بیچارے شہر جوناگڑھ پہنچ گئے کچھ لوگ وہیں آباد ہو گئے اور آج بھی اپنی قسمت پر آنسو بہاتے اور افلاس وغربت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کو ضروری امداد ملی اور وہ خدا خدا کر کے پاکستان پہنچے۔ اس قسم کی وارداتیں اور شہروں میں بھی ہوئیں لیکن چھوٹے پیمانے پر۔ انہی دنوں کیشو د شہر میں بھی ہندو غنڈوں نے مسلمانوں کے گھروں اور دکانوں پر حملہ کیا، کئی دکانیں لوٹ لیں اور باقی ماندہ کو آگ لگا دی فوجیوں کو پشت پناہی ٹھیک طریقے سے نہیں ملی۔ اس وجہ سے مسلمانوں کے مکانات زیادہ لوٹ مار سے بچ گئے لیکن ان کی ہمت پست کرنے کے لئے یہی کچھ کافی تھا اور ان کو یقین ہو گیا کہ ہندو غنڈے انہیں چین سے جینے نہیں دیں گے وہ بھی پاکستان جاتے ہوئے قافلوں کے ساتھ ہو گئے۔

پربھاس پٹن میں ہندوؤں کی غنڈہ گردی نے حد کر دی بھارتی فوجوں کا قبضہ ہوتے ہی ہندوؤں نے جلوس نکالے اور جے ہند کے نعروں کے ساتھ "مسلمانوں کو مارو" کے بھی نعرے شروع کر دیئے خوف وہراس سے لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے کاشتکار طبقہ کھیتوں میں ہی دن گزارنے لگا۔ 14 دسمبر کو سردار پٹیل جام صاحب نوانگر۔ وی۔ پی۔ مینن اور شامڑ داس گاندھی کے ساتھ سومناتھ کی زیارت کو پربھاس پٹن پہنچے انہوں نے فرمایا کہ سومناتھ کے مندر کی ویسے ہی شاندار پیمانے پر ازسرنو تعمیر کی جائے جیسے یہ پہلے کبھی تھا۔ اس کام کے لئے جام صاحب نوانگر نے ایک لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا۔ شامڑ داس گاندھی نے اکیاون ہزار دینے کا اعلان کیا۔ اس اکیاون ہزار کا بیشتر حصہ مسلمانوں سے بطور چندہ وصول کیا گیا۔ اخبار فروش شامڑ داس کے پاس اتنا پیسہ کہاں تھا جو اکیاون ہزار چندے میں دے۔ اس وقت سے ہی شہر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ شہر کی جامع مسجد اور دوسری دو مشہور پرانی مسجدوں سے قرآن مجید اور دینی کتابیں اور جائے نماز وغیرہ جلا دیئے گئے اور ان میں بت بٹھا دیئے گئے۔ جابجا مسلمانوں کی مار پٹائی کی کچھ دکانوں پر بھی حملے ہوئے اور مال واسباب لوٹا گیا۔ مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی اور بہت سے لوگ وطن کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کم وبیش ایسی ہی حرکتیں ویراول، بندر، چوڑواڑ، مالیا، بکسرا، وٹھلی، وڈال اور دوسرے بہت سے شہروں میں ہوئیں اور بہت سے دہشت زدہ لوگ اپنا سب کچھ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ یہ سب کچھ ان بھارتی ہندوؤں کے اشارے پر ہوا جو ریاست میں امن وامان قائم رکھنے کے بہانے سے گھس آئے تھے اور ایک پرامن سرسبز خوشحال ریاست کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا اور اوپر سے یہ ڈھنڈورا پیٹتے رہے کہ ہم نے ریاست میں امن وامان قائم کیا ہے۔ انتظام کو درست کیا اور خزانے کو پر کیا ہے اس طرح خونخوار درندوں کی غراہٹ میں مظلوموں کی چیخ وپکار دب کر رہ گئی۔ لیکن کہاں تک؟

ریاست مانگرول کا عبرتناک قصہ

ریاست مانگرول جو جوناگڑھ کے ماتحت ایک درجہ دوم کی ریاست تھی۔ یہ درجہ بھی نواب جوناگڑھ رسول خان کی مہربانی کی بدولت عطا ہوا تھا۔ اس ریاست کے حکمران وقتاً فوقتاً سرکشی اختیار کرتے رہتے تھے لیکن ہمیشہ انھوں نے منہ کی کھائی اور اطاعت قبول کر لی۔ 1879ء میں شیخ مانگرول نے ایک بار پھر اطاعت سے انحراف کیا سرکار عالیہ (برطانوی حکومت میں) یہ مقدمہ دائر کیا۔ طرفین نے اپنے اپنے دستاویز پیش کئے جس سے ثابت ہو گیا کہ شیخ مانگرول کو ریاست جوناگڑھ کی اطاعت لازمی ہے۔ شیخ بدرالدین کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ حسین میاں نے اطاعت قبول کرتے ہوئے نواب صاحب سے درخواست کی کہ انہیں ان کے درجے کے مطابق اختیارات دیئے جائیں۔ نواب صاحب نے دریا دلی اور فیاضی سے کام لے کر مانگرول کو دوسرے درجے کی ریاست کو جو اختیارات برٹش حکومت نے دیئے تھے وہی اختیارات عطا کر دیئے۔ یہ

کاروائی 5 جون 1879ء کو جوناگڑھ کے آئینہ محل میں ایک دربار عام میں ہوئی پولیٹیکل ایجنٹ کرنل باٹن بھی موجود تھے۔شیخ حسین نے اپنی درخواست پڑھی جس میں جوناگڑھ کے نواب سے درخواست کی گئی کہ وہ انہیں ازراہ کرم مناسب اختیارات سرفراز فرمائیں نواب صاحب کی طرف سے فوری طور پر دوسرے درجے کے اختیارات کا پروانہ شیخ موصوف اوران کے جانشینوں کے لئے عطا کر دیا گیا۔

شیخ مانگرول کو اپنے مقبوضہ علاقے کے علاوہ ریاست جوناگڑھ کے 70 دیہات میں سے بھی آمدنی کا کچھ حصہ ملازمت کے ضمن میں ملتا تھا۔ 1886ء میں شیخ مانگرول نے چاہا کہ مختلف موضعوں کے جداگانہ حصے ملنے موقوف کر دیئے جائیں اوران کے عوض جتنے دیہات قرار پائیں وہ ان کے نام علیحدہ کر دیئے جائیں۔اس سوال کے تصفیہ کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا۔جس کے صدر کرنل ہنس مقرر ہوئے جو بعد میں کاٹھیاواڑ کے پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوئے کمیشن کی کارروائی زیادہ طویل ہے مگر نواب جوناگڑھ نے ان ستر (70) دیہات کے مقررہ حصوں کے بدلے اکیس دیہات کی آمدنی مانگرول کو دینے کا اعلان کر دیا۔اس کے بعد شیخ مانگرول نے اور اختیارات کے لئے کوششیں کیں جن میں وہ ناکام رہے۔ 21 ستمبر 1907ء کو مانگرول کے شیخ حسین میاں لاولد مر گئے اور چونکہ نواب صاحب کو مرحوم کی بیوی کے حاملہ ہونے کی خبر پہنچی تھی اس وجہ سے نتیجہ معلوم کر کے وارث مقرر کرنے تک مانگرول کا انتظام ریاست جوناگڑھ کی زیر نگرانی رکھا گیا اور محکمہ زراعت کے ڈائریکٹر مسٹر اردشیر جمشید جی کو مانگرول کا منیجر مقرر کیا گیا جس وقت منیجر صاحب نے اپنے دفتر کا چارج لیا۔اس وقت مانگرول کے خزانے میں صرف دس روپے تھے لہذا نواب جوناگڑھ نے ضروری اخراجات کے لئے پچیس ہزار روپیہ عنایت فرمایا، جب تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ مرحوم شیخ کی بیگم کو حمل نہیں ہے تو حسب الحکم نواب صاحب ریاست کے دیوان نے ان کے بھائی شیخ جہانگیر میاں کو مسند نشین کیا اور اسے جوناگڑھ کے ماتحت رکھتے ہوئے دوسرے درجے کے اختیارات دیئے مانگرول کا انتظام نو مہینے تک منیجر کے ہاتھوں میں رہا،مسند نشینی کے وقت دیوان جوناگڑھ نے اپنی تقریر میں وضاحت کی کہ:۔

شیخ جہانگیر میاں! میں جوناگڑھ کے نواب سر رسول خان کی طرف سے حسب معاہدہ 1879ء آپ کو وہی اختیارات دیتا ہوں جو آپ کے مرحوم بھائی شیخ حسین میاں کو اس وقت نواب صاحب کی طرف سے عطا ہوئے تھے۔شہر اور اس کے ساتھ 21 دیہات میں آپ کی کارگزاری بلاشرکت غیرے لیکن نواب جوناگڑھ کے ماتحت ہوگی اور کامل اختیارات کاٹھیاواڑ کے دوسرے درجے کے حکمرانوں کی طرح ہوں گے۔مگر ان اکیس دیہات میں جو 1886ء میں مانگرول کو دیئے گئے ہیں ان میں آپ کے اختیارات صرف ریونیو محصولات تک ہی محدود رہیں گے باقی تمام دیوانی اور فوجداری حکومت حسب دستور نواب صاحب جوناگڑھ کی رہے گی"۔شیخ مانگرول نے متعدد موقعوں پر آزادانہ اختیارات کے لئے کوششیں کیں۔مگر کامیابی نہیں ہوئی 1926ء میں وزیر ہند کو بھی عرضداشت روانہ کیں وہاں سے بھی جوناگڑھ کی معرفت یہ جواب ملا کہ وزیر ہند نے کامل غور وفکر کے بعد کوئی وجہ ایسی نہیں دیکھی کہ حکومت کے ان احکامات میں مداخلت کی جائے جو اس عرضداشت کو نامنظور کرتے ہوئے صادر کئے جا چکے ہیں جس میں مانگرول اور جوناگڑھ کے تعلقات کی تحقیق کی درخواست کی گئی تھی اس کے یہ معنی ہوئے کہ ان کو اس امر سے اتفاق ہے کہ 1879ء کے معاہدے میں مانگرول پر جوناگڑھ کی جو قیادت تسلیم کی گئی ہے وہ طے شدہ مسلمہ حقیقت ہے۔اور اس پر کسی چون وچرا کی گنجائش نہیں مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات واضح طور پر روشن ہو جاتی ہے کہ مانگرول کی آزادانہ اور خودمختارانہ حیثیت نہیں تھی بلکہ وہ ریاست جوناگڑھ کی اطاعت تھی وقتاً فوقتاً مانگرول کے شیخ صاحبان اس بات کی سعی کر چکے تھے کہ کسی نہ کسی طرح انہیں جوناگڑھ کی اطاعت سے آزادی حاصل ہو لیکن ہر بار انہیں ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔آزادی ہند کے وقت مانگرول کے شیخ صاحب کو پھر خیال پیدا ہوا کہ خودمختار اور آزاد ہونے کی ایک بار اور کوشش کی جائے لہذا انہوں نے اپنا ایک نمائندہ راجکوٹ روانہ کر دیا جو امور ریاست کے سیکریٹری مسٹر وی پی مینن سے ملا اور یہ پیش کش کی کہ اگر مانگرول کو آزاد اور خودمختار تسلیم کر لیا جائے تو وہ ہندوستان سے الحاق پر رضامند ہو جائے گا۔سردار پٹیل اور مینن کی یہی کوشش تھی کہ جیسے اور جس طرح ہو زیادہ سے زیادہ ریاستیں ان کے دام میں اسیر ہو جائیں کسی بھی وعدے کو پورا کرنے کا ان کا شروع ہی سے قطعی ارادہ نہیں تھا اس لئے وہ ہر قسم کی شرط بلاچون وچرا تسلیم کر لینے میں دریغ نہیں کرتے تھے جب 17 ستمبر کو مسٹر مینن نواب جوناگڑھ پر دباؤ ڈالنے کے ارادے سے پہلے ہی راجکوٹ پہنچے تو وہاں شیخ مانگرول کے ایک نمائندے نے ان سے ملاقات کی اور شیخ کی طرف سے یہ پیش کش کی کہ اگر مانگرول کو جوناگڑھ کی بالادستی سے آزاد قرار دے دیا جائے تو وہ ہندوستان سے الحاق پر رضامند ہو جائے گا۔

بعد میں جب جوناگڑھ کو مانگرول کے اس غیر قانونی اقدام کا پتا چلا تو اس بات کی کوشش کی گئی کہ مانگرول کے شیخ صاحب پر قانونی پوزیشن واضح کر دی جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا جائے کہ مانگرول کی تقدیر جوناگڑھ سے وابستہ ہے اور اسے براہ راست الحاق کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔حقیقت کو پہچان لینے کے بعد شیخ آف مانگرول نے ریجنل کمشنر مسٹر بچ کو لکھ بھیجا کہ مانگرول معاہدہ قائمہ اور دستاویز الحاق سے دست برداری اختیار کرتا ہے اور اب اس معاہدے کو منسوخ سمجھا جائے۔اس کے جواب میں حکومت ہند نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ مانگرول پر قبضہ کرنے کی تیاری کرے۔شیخ مانگرول کے اس خط کو جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ ریاست مانگرول پاکستان سے ملحق ہو گئی ہے۔اور اس کا ہندوستان سے جو معاہدہ ہوا ہے اسے منسوخ سمجھا جائے۔ہندوستان کی حکومت نے کوئی اہمیت نہیں دی اور اپنی فوج کو حکم دے دیا کہ ریاست مانگرول پر جبری قبضہ کرنے کے

لئے وہ تیار رہے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہدایت کی گئی کہ اگر جوناگڑھ کسی بھی قسم کی مزاحمت کرے تو اس پر قبضہ کرلیا جائے۔

24 ستمبر کو حکومت ہند نے اپنی فوج مانگرول بھیجنے کا آخری فیصلہ کرلیا۔

یکم اکتوبر کو جوائنٹ ڈیفنس کونسل کا ایک جلسہ دہلی میں منعقد ہوا۔نہرو نے لیاقت علی خان سے درخواست کی کہ جوناگڑھ کی فوج بابریاواڑ سے واپس بلالی جائے۔اسی اثناء میں نہرو کو یہ بھی اطلاع ملی کہ جوناگڑھ کی فوج مانگرول میں داخل ہوگئی ہے دوران گفتگو نہرو نے اس بات کا وعدہ کیا کہ جب تک مانگرول اور بابریاواڑ کی قانونی حیثیت صاف طور پر واضح نہیں ہو جاتی۔ ہندوستان کی فوجیں ان علاقوں میں داخل نہیں ہوں گی بشرطیکہ جوناگڑھ اپنی فوجیں واپس بلالے حالانکہ اس وعدے سے قبل ہی وہ اپنی فوجوں کو مانگرول پر مکمل طور پر قبضہ کر لینے کا حکم صادر فرما چکے تھے۔25 اکتوبر کو لیاقت علی خان نے حکومت ہند کو ایک تار روانہ کیا کہ اگر مانگرول اور بابریاواڑ کا معاملہ آزاد ماہرین قانون کے سپرد کیا جائے جن کی نامزدگی بھارت اور پاکستان کے اتفاق سے عمل میں آئے تو حکومت پاکستان جوناگڑھ کو ہدایت کرے گی کہ وہ مانگرول اور بابریاواڑ سے فوج واپس بلالے۔لیکن اس تار پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔کیوں کہ وہ مانگرول پر ہر صورت میں قبضہ کر لینے کی تیاری کر چکے تھے۔یکم نومبر کو بھارتی فوجیں مانگرول میں داخل ہوگئیں۔مانگرول پر مکمل طور پر قبضہ کر لینے کے بعد اس کا انتظام ایک سول افسر کے حوالے کر دیا اور مانگرول کے شیخ کو قید کر کے ریاست سے باہر روانہ کر دیا گیا۔مانگرول میں بھارتی قبضے کے بعد مسلم زمینداروں کی زمینیں ضبط کر لی گئیں اور سرکاری ملازمتوں سے مسلمانوں کو الگ کر دیا گیا۔لہذا مسلمانوں کی اقتصادی حالت بگڑنے لگی۔پاکستان کی طرف ان کی ہجرت شروع ہوگئی۔شیخ مانگرول کو ایک سال تک قید میں رکھنے کے بعد انہیں پاکستان جانے کی اجازت دے دی گئی۔

ریاست مانگرول کی طرح بابریاواڑ ریاست بھی جوناگڑھ کے ماتحت تھی۔اس کا رقبہ تقریباً پانچ سو مربع میل ہے اور یہ ریاست جوناگڑھ کے جنوب میں واقع ہے۔ جب جوناگڑھ نے پاکستان سے الحاق کیا تو ہندوستان نے اس کے خلاف طرح طرح کے حیلے بہانے تراشنے شروع کر دیئے اور بابریاواڑ سے بھی گٹھ جوڑ شروع کر دیا ہندو رہنماؤں کی کوشش تھی کہ وہاں کا نواب جوناگڑھ کی بالادستی سے منحرف ہو کر اپنی آزادی کا اعلان کر دے اور ہندوستان سے الحاق کر لے۔چنانچہ جب پشت پناہی کے لئے حکومت ہند موجود تھی تو پھر اسے کس بات کا ڈر تھا۔اس نے ہندوستان سے الحاق کی درخواست کی جو فوراً منظور کر لی گئی اور بالآخر یکم نومبر 1947ء کو ہندوستانی فوج نے اس پر قبضہ کر لیا۔جوناگڑھ کی فوج کو ریاست کی طرف سے خاص ہدایت تھی کہ کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں۔ہندوستانی فوج کے سامنے ریاست کے چند سپاہی ہاتھی اور چیونٹی کی مثال تھے۔ماناودر ریاست بھی جوناگڑھ کی ماتحت ریاست تھی۔

اسے بھی دوسرے درجے کے اختیارات حاصل تھے۔والئی ریاست خان غلام محی الدین خان صاحب بابی خاندان سے تھے اور نواب جوناگڑھ سے قریبی رشتے داری تھی۔خان صاحب روشن دماغ ہونے کے ساتھ ساتھ ہاکی کرکٹ وغیرہ کے نہایت شائق تھے۔ریاست ماناودر کی ہاکی ٹیم ہندوستان بھر میں مشہور تھی اور اس نے بیرونی ممالک کے دورے کر کے اپنے لئے نمایاں مقام پیدا کیا تھا۔چودہ سال کی کم سن عمر میں 19 اکتوبر 1918ء میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔اور والدہ فاطمہ صدیقہ بیگم صاحبہ سرپرست رہیں۔نواب شیر خان بابی نے اپنے بھائیوں محمد شیر زماں اور محمد دلبر خان کو تعلقہ بانٹوا جاگیر میں دیا بعد میں تعلقہ بانٹوا کے تین حصے ہو گئے جن میں دو بانٹوا اور سردارگڑھ محمد شیر زماں خاں کی اولاد کے قبضے میں رہے اور تیسرا حصہ ماناودر ہے جو محمد دلبر خان کی اولاد کے قبضے میں رہا۔بانٹوا اور سردارگڑھ کے بارہ بارہ گاؤں تھے اور ماناودر کے چوبیس گاؤں تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ بانٹوا کے بہت سے حصے ہو گئے اور آزادی کے وقت اس کے چوبیس حصے دار تھے۔

وی پی مینن نے بہت چاہا کہ وہ خان غلام محی الدین خان صاحب کو اپنے جال میں پھانس لے لیکن خان صاحب اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے اور انہوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کے فیصلے کو اپنا آخری اور حتمی فیصلہ کہہ کر تمام باتوں کو رد کر دیا یہ بات سردار پٹیل کو ناگوار گزری انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ ہر صورت میں ریاست ماناودر پر قبضہ کرلیا جائے۔اس کام کو انجام دینے کے لئے ایک مسلح فوج بھیجی اور 22 اکتوبر 1947ء کو ریاست پر قبضہ کرلیا۔خان صاحب ماناودر کو قید کرلیا۔اور انہیں نوانگر بھیج دیا گیا جہاں وہ قریب ایک سال تک بند رہے اور بعد میں چھٹکارا ہوتے ہی پاکستان پہنچ گئے۔یہاں بھی وہی عمل دہرایا گیا جو اور مقامات پر ہوا۔مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے انہیں ترک وطن پر مجبور کیا گیا۔

جوناگڑھ اور سلامتی کونسل

جوناگڑھ جس پر بھارت قبضہ کر چکا تھا۔اس مسئلے کو عالمی سطح پر اُٹھانے کی ضرورت تھی۔اس مقصد کے لئے کوششیں کی گئیں اور آخر کار جوناگڑھ پر بھارتی قبضے کے چار ماہ بعد 11 فروری 1948ء کو اقوام متحدہ میں پہلی بار جوناگڑھ کا نام گونجا۔الحاق جوناگڑھ کتاب میں حبیب لاکھانی صاحب نے اس مسئلے کو بڑے اختصار اور ٹھوس انداز میں بیان

کیا ہے وہ نظر قارئین ہے۔ یہ مسئلہ سلامتی کونسل کے 244 ویں اجلاس میں بمقام لیک سکسیس نیویارک میں اٹھایا گیا تھا۔ سر محمد ظفر اللہ خان پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے۔ انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"جوناگڑھ کا معاملہ کشمیر سے برعکس ہے جوناگڑھ کا حکمران مسلمان ہے اور عوام کی اکثریت غیر مسلم"۔ ایک خاص بات قابل غور ہے کہ جوناگڑھ میں 15 ستمبر تک کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ ریاست کا الحاق پرامن طریقے سے ہوا اور کسی بھی قسم کی مزاحمت نہیں ہوئی جب اس بات کا اعلان کیا گیا کہ جوناگڑھ پاکستان سے الحاق کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو حکومت ہند نے کئی اعتراضات کئے۔ ہم تک بھی یہ اعتراضات پہنچائے گئے کہ ریاست جوناگڑھ پاکستان سے متصل نہیں ہے اس کی آبادی کی اکثریت غیر مسلم ہے اور اس الحاق سے یہی مقصد ہوسکتا ہے کہ پاکستان کے حدود و رسوخ کو بڑھا کر ہندوستان کی سالمیت کو ضرب لگائی جائے مزید یہ کہ یہ امر ہندوستان کی خودمختاری اور سرحدوں میں دخل اندازی ہے جو دونوں ڈومنیوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کے موافق ہے اور یہ اعلان بھی کیا کہ یہ الحاق عمل میں آئے گا تو ہندوستان اسے تسلیم نہیں کرے گا۔ چونکہ ہندوستان کی فوجوں نے ریاست جوناگڑھ پر قبضہ کرلیا ہے۔ جو پاکستان سے الحاق کرچکی ہے۔ ایک نازک، سنجیدہ اور شدید مسئلہ پیدا ہوگیا ہے اگر حکومت پاکستان حکومت ہند کی فوجوں کو مار ہٹانے کی غرض سے اپنی فوجیں روانہ کرنے میں ضبط سے کام نہ لیتی تو دونوں ڈومنیوں کے درمیان باہمی جنگ شروع ہوجاتی۔ ہم نے اپنا ہاتھ تھام رکھا ہے لیکن یہ مسئلہ اتنا ہی اہم ہے جتنا کشمیر کا مسئلہ۔

چوہدری ظفر اللہ خان نے اپنی طویل تقریر کے آخر میں کہا۔

"ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حکومت ہند کی کون سی ایسی معقول وجہ تھی جس کی بناء پر اس نے ریاست جوناگڑھ میں اپنی فوجیں داخل کیں اور ریاست پر اب تک اپنا قبضہ جاری رکھا۔ کوئی بھی شخص جوناگڑھ کے حالات اور کشمیر کے حالات کی مشابہت کا مقابلہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور مجھے یقین ہے کہ سلامتی کونسل کے اراکین یہ مقابلہ کرسکیں گے۔ جوناگڑھ کے متعلق جو مطالبہ ہے وہ یہ ہے کہ حکومت ہند اپنے طور پر یا سلامتی کونسل کی کسی تجویز یا سفارش کے ذریعے جوناگڑھ پر قابض اپنی فوجیں ہٹالے اور جوناگڑھ و ماناودر ریاستیں ان کے حکمرانوں کے حوالے کردے تاکہ نظم وضبط حسب معمول ہوجائے اس کے بعد اگر یہ اصرار کیا جائے کہ مسئلہ الحاق پر جوناگڑھ کے عوام کی خواہشات بذریعہ رائے شماری معلوم کی جائیں تو آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کرائی جائے۔ سلامتی کونسل نے کشمیر کے مسئلہ پر تفصیلی بحث سنی ہے اور وہ اس وقت تک اصول الحاق سوال رائے شماری وغیرہ سے بخوبی آگاہ ہے اس لئے میں ان کو طول دینا نہیں چاہتا۔ موجودہ حالات میں یہ ہماری کم سے کم درخواست ہے۔"

اس کے آٹھ روز بعد 26 فروری 1948ء کے روز جوناگڑھ کے مسئلہ پر مزید بحث کرنے کے لئے سلامتی کونسل کا 257 واں اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی ابتدا میں چوہدری ظفر اللہ خان نے کہا:۔

"میں نے اس حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرائی تھی کہ ہم نے 6 فروری کو صدر کی معرفت ہندوستانی وفد سے یہ درخواست کی تھی کہ چونکہ معاملہ اس وقت سلامتی کونسل کے زیر غور ہے اس لئے رائے شماری کا کام ملتوی کردیا جائے۔"

لیکن بعد میں جوناگڑھ میں رائے شماری کرلی گئی میں نے 250 ویں اجلاس میں سلامتی کونسل سے یہ گزارش کی کہ میرے سوال پر مسٹر ویلوری نے یہ اطلاع دی کہ انہیں اپنی حکومت کی طرف سے ایک خط ملا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ استصواب رائے کے انتظامات اس قدر مکمل ہوگئے ہیں کہ اب اس کو ملتوی کرنا ممکن نہیں لیکن اگر ضرورت پیش آئے تو بعد میں دوبارہ رائے شماری کرائی جاسکتی ہے اس کے متعلق میں سلامتی کونسل کو یہ عرض کروں گا کہ ہماری درخواست اول 6 فروری کو کی گئی تھی اور جوناگڑھ میں رائے شماری کا کام یقیناً دو ہفتوں سے بھی بعد میں ہوا انہوں نے مزید کہا ہم رائے شماری کی صحت کو یقیناً تسلیم نہیں کرتے۔ حکومت ہند کی مسلح فوجیں جوناگڑھ پر قابض ہیں۔ ریاست کا نظام خود حکومت ہند کی براہ راست نگرانی میں ان کی ہدایات کے تحت ہے۔ جہاں تک ریاست کے مسلم عوام کا تعلق ہے۔ ان کے خلاف بھارت کی مسلح افواج کا داخلہ ہوتے ہی خوف وہراس کی مہم کا باضابطہ آغاز کردیا گیا۔ ان حالات میں استصواب رائے مذاق سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ سر محمد ظفر اللہ خان نے سلامتی کونسل کے سامنے ہر بات بڑی اچھی طرح واضح کردی تھی۔ ان کے بعد بھارتی نمائندے ویلوری نے ایک طویل تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں جوناگڑھ اور دیگر ریاستوں کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی مخالفت اور بھارتی قبضہ کی موافقت میں بھارت کے وہی پرانے دلائل پیش کئے۔ ان کی تقریر کے بعد بعض نکات پر چوہدری ظفر اللہ خان نے بحث کی۔

"جب جوناگڑھ کا سوال آیا تو حکومت ہند نے پہلی بار رائے عامہ کا سوال اٹھایا۔ ہم نے اس کو مسترد نہیں کیا۔ ہم نے جو کچھ کہا وہ یہ ہے کہ نہ صرف جوناگڑھ بلکہ ان تمام ریاستوں کا جن کے متعلق اختلاف ہو اس اصول کے تحت فیصلہ کیا جائے اور اس پر ہم اب بھی قائم ہیں۔ ہماری یہ درخواست ہے کہ کشمیر اور جوناگڑھ سے حکومت ہند اپنی فوجیں واپس بلالے۔ دونوں میں سے کسی بھی ریاست میں پاکستانی فوج موجود نہیں۔" اس کے بعد بھارتی وفد کے لیڈر مسٹر گوپال سوامی آئینگر نے مسئلہ جوناگڑھ پر اپنی حکومت کی پالیسی

کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ انہوں نے کہا کہ " میں نے اپنی حکومت کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر ممکن ہو تو استصواب رائے کو ملتوی کر دیا جائے اور حکومت ہند اس نتیجہ پر پہنچی کہ استصواب رائے کے انعقاد کے انتظامات اس حد تک مکمل ہو چکے تھے کہ اگر یہ کام معطل کر دیا جاتا ہے تو اس بات کا خدشہ تھا کہ اس سے انتظامی انتشار پیدا ہو۔"

مسٹر آئینگر کی طویل تقریر کے بعد چوہدری ظفر اللہ خان نے بعض نکات کی مزید وضاحت کی انہوں نے خصوصاً کہا کہ

" کراچی کے ڈان اخبار میں دو برطانوی نامہ نگاروں کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ ووٹ ڈالنے میں رازداری سے قطعی کام نہیں لیا گیا اور جو بیلٹ پیپر رائے دہندگان کو دیئے گئے تھے ان پر نمبر چھپے ہوئے تھے جس سے رائے دینے والے کی پہچان بہ آسانی ہو سکتی تھی یہ نامہ نگار اس وقت جوناگڑھ میں موجود تھے اور استصواب رائے کا انعقاد انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" انہوں نے مزید کہا کہ " کیا وزیر اعظم کو یہ اختیار تھا کہ وہ ریاست کا نظام حکومت ریجنل کمشنر کے سپرد کر دے؟ یہ ہے پہلی بات۔ قانونی جہت کے ماسوا۔ وہ صورت حالات جس کی وجہ سے ریجنل کمشنر کو یہ درخواست کی گئی وہ حکومت ہند کے ان اقدامات کا نتیجہ تھی جو وسط ستمبر اور اس کے بعد اقتصادی رکاوٹ خشکی کی راہ ریاست پر حملے اور عارضی حکومت کی ہمت افزائی کی شکل میں رونما ہوئے۔ میری یہ مکرر دلیل ہے کہ چونکہ یہ حالات حکومت ہند کے پیدا کردہ تھے اس لئے 9 نومبر کی شام کو ریاست میں ہندوستانی افواج کے داخلے کا کوئی جواز نہیں۔"

" کشمیر میں عوام نے مہاراجہ کی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی ہے ان کی فوج شکست خوردہ ہو کر منتشر ہو گئی ہے اور مہاراجہ کی حکومت ریاست کشمیر کے صرف ایک حصہ پر قائم ہے وہ لوگ جو مہاراجہ کے خلاف کھلی بغاوت پر اتر آئے ہیں۔ انہوں نے بارہا یہ اعلان کیا ہے کہ وہ مہاراجہ کی واپسی کو ناپسند کرتے ہیں اور ان علاقوں میں مہاراجہ کو کوئی اختیار نہیں۔" اگر مسٹر آئینگر کے کہنے کے مطابق ان سوالات کا مجموعی طور پر فیصلہ ہونا چاہئے تو کشمیر میں بھی ایسا ہی کیا جائے ایک طرف یہ سوال رکھا جائے کہ آیا کشمیر ہندوستان سے الحاق اور مہاراجہ کو برقرار رکھنا چاہتا ہے؟ اور دوسری طرف یہ سوال رکھا جائے کہ آیا کشمیر پاکستان سے الحاق اور مہاراجہ سے چھٹکارا پانا چاہتا ہے؟ اگر جوناگڑھ کے متعلق بھی اس تجویز پر عمل کیا جائے۔ "میری گزارش ہے کہ سلامتی کونسل کے اصول کے سوال سے تعلق ہے اگر اس معاملے کی تاریخ ماضی کو چھوڑ کر دونوں ڈومینین اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ دونوں ریاستوں کے الحاق کا مسئلہ بذریعہ استصواب رائے حل کیا جائے تو حق وانصاف کا تقاضا ہے کہ دونوں معاملات میں استصواب رائے آزادانہ اور غیر جانبدارانہ ہو۔ کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ رہے کہ استصواب رائے میں ایک یا دوسرے فریق کی طرفداری کی گئی ہے یا ایک قوم کو دوسری قوم کے مقابلے میں ترجیح دی گئی ہے۔ یہ ہے کشمیر اور جوناگڑھ کے معاملات کا لب لباب۔ "چوہدری ظفر اللہ خان کی تقریر کے بعد سلامتی کونسل کے صدر نے مسئلہ جوناگڑھ کی بحث کے خاتمہ کا حسب ذیل الفاظ میں اعلان کیا۔ "سلامتی کونسل کے ممبران کو یاد ہو گا کہ مسٹر گوپال سوامی آئینگر کی اپنی حکومت سے مشورے کے لئے روانگی سے قبل سلامتی کونسل مسئلہ کشمیر کے حل کی شرائط پر غور کر رہی تھی۔ گزشتہ دو اجلاس میں ہندوستانی وفد کی سہولت کی خاطر مسئلہ جوناگڑھ پر بحث ہوئی۔ میری رائے میں مسئلہ کشمیر کے حل کی جدوجہد کا وقت آ گیا ہے اور اس کے بعد بلاشبہ مسئلہ جوناگڑھ کا۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ آج کا اجلاس ملتوی کیا جائے اور مسئلہ کشمیر پر بحث کے لئے سلامتی کونسل کا اجلاس 10 مارچ بروز بدھ رکھا جائے۔

اس طرح سلامتی کونسل میں مسئلہ جوناگڑھ کی بحث دو روز میں ختم کر دی گئی۔ اس کے دو ماہ بعد اپریل 1948ء میں بھارت نے اپنے علاقے سے پاکستان کی طرف بہنے والے دریاؤں کا پانی روک دیا اور خطرناک قسم کی فوجی پیش قدمی کی تیاریاں کیں۔ نتیجتاً پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ چھڑ گئی جو کشمیر کے علاقے تک محدود رہی۔ آخر کار 1948ء کے آخر میں اقوام متحدہ کی کوشش سے فائر بندی عمل میں آئی۔ تخلیق پاکستان کے ابتدائی چند سال تک اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر پر طویل بحث ہوتی رہی۔ ریاست کشمیر کی طرح ریاست حیدرآباد اور ریاست جوناگڑھ کے بھی بھارتی حملے کا شکار ہونے کی وجہ سے مسئلہ کشمیر کی بحث کے دوران ان دونوں ریاستوں کا بھی کئی بار ذکر ہوتا رہا لیکن جوناگڑھ کو ایک جداگانہ مسئلے کے طور پر پیش کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی۔

اس کے بعد پاکستان اور بھارت کے درمیان 1965ء اور 1971ء میں دو مزید جنگیں ہوئیں۔ ان دونوں جنگوں میں کشمیر ایک اہم مورچہ رہا تھا۔ 1971ء کی جنگ کے بعد دونوں فریقین کے درمیان شملہ معاہدے پر دستخط کئے گئے اس معاہدے میں دیگر معاملات کے علاوہ یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ آئندہ سے دونوں فریقین پاک بھارت معاملات صرف باہمی طریقے سے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس وقت تک حکومت پاکستان کی طرف سے اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر کو زیر بحث لانے کی کوششیں ہوتی رہی تھیں لیکن 1971ء کے بعد اس قسم کی کوئی کوشش نہیں کی گئی اور چونکہ فروری 1971ء میں مسئلہ جوناگڑھ کو مسئلہ کشمیر کے ساتھ منسلک کر کے پیش کیا گیا تھا۔ اس وجہ سے 1971ء کے بعد اس مسئلہ کو اقوام متحدہ میں دوبارہ پیش کرنے کی توقع بھی تقریباً ختم ہو گئی۔

رعایائے جوناگڑھ کی عرضداشت

ڈاکٹر الفریڈ نورانو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوپاک کے 21 ستمبر 1948ء سے جون 1969ء تک نمائندے رہے ہیں۔ 1949ء کی ابتدا میں پاک بھارت کمیشن کے چیئرمین کی حیثیت سے آپ کراچی آئے تو اس وقت رعایائے جوناگڑھ کے مسلمانوں کی طرف سے انہیں ایک عرضداشت پیش کی گئی۔ جس میں بھارت کا بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ریاست جوناگڑھ پر قبضہ اور نتیجتاً ریاست کے مسلمان باشندوں کو جن مصائب سے گزرنا پڑا ان کا تفصیل سے ذکر کیا گیا تھا۔ آیئے یہ عرضداشت پڑھتے ہیں یا اپنے اندر بلا کا درد لئے ہوئے ہے۔ اس درخواست میں وطن سے بے وطن ہونے والے ان لاکھوں انسانوں کی وہ چیخ پنہاں ہے جو تب سے اب تک گونج رہی ہے۔

"ہم ریاست جوناگڑھ کے مہاجرین کی طرف سے یہ عریضہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ ہمدردانہ توجہ فرما کر بھارت اور پاکستان کے درمیان مسئلہ جوناگڑھ کے حل کے لئے اقوام متحدہ سے ضروری سفارش کریں گے تاکہ اس ضمن میں جلد از جلد ضروری اقدامات کئے جائیں۔" کراچی میں کمیشن کی موجودگی سے استفادہ کرتے ہوئے اور سلامتی کونسل کی اس مسئلہ کی تجویز کے اغراض ومقاصد مدنظر رکھتے ہوئے ہم اپنی دکھ بھری کہانی اور جائز شکایات مختصراً عرض کرنے کی خواہش رکھتے ہیں کیوں کہ آپ ہماری بدقسمتی، ہماری تکالیف اور جس ظلم وتشدد کا ہم شکار ہوئے ان کی تفصیل سے بخوبی واقف ہیں جو مظالم بھارتی فوجوں نے ہم اور ہمارے ہم وطن مردوں، عورتوں اور بچوں پر ڈھائے اس کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ جس طریقے سے ریاست پر جارحانہ قبضہ کیا وہ نہ صرف بین الاقوامی قوانین کے خلاف تھا بلکہ انسانی اخلاق سے بھی گرا ہوا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستانی فاسشٹوں نے جو کہ مسلمانوں کی نسل کشی کے فن میں مہارت حاصل کر چکے ہیں۔ صلح پسند اور نہتے مسلمانوں پر وہ مظالم توڑے جو بے مثال ہیں ہر قسم کے ثبوت موجود ہیں جو بلا کسی تردد کے پیش کئے جاسکتے ہیں کہ کس تنظیم سے بھارتی فوج اور ان کے ساتھی غنڈوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور ان کے بیوی بچوں کو ہمیشہ کیلئے پریشانی کے عالم میں دھکیل دیا۔ بانٹوا اور سردارگڑھ میں مسلمانوں کے گھروں کو لوٹا گیا اور بعد میں ان میں آگ لگادی گئی۔ نواب جوناگڑھ کے محلات بھی اس لوٹ مار سے نہیں بچ سکے اور ان کا ذاتی سروسامان بھی لٹیروں کی نذر ہوگیا اور جو کچھ بچ گیا وہ عام بازار میں کوڑیوں کے مول فروخت کر دیا گیا۔ خان صاحب ماناودر اور شیخ صاحب مانگرول کی عزت پر حملے کئے گئے اور انہیں قید کرلیا گیا ان کی تمام ملکیت لوٹ لی گئی۔ مسلمانوں کے مقدس مذہبی مقامات کو یا تو مسمار کر دیا گیا یا ان کی بے حرمتی کی گئی۔ ہمارے روزگار کاروبار کے نقصانات کی داستان بھی اتنی ہی دردناک ہے۔

جوناگڑھ اور کاٹھیاواڑ کے مسلمان ہندوستان بھر میں زیادہ مالدار گنے جاتے تھے ان میں سے بہت سے لوگ حالات کے ہاتھوں مجبور ہوکر آج کوڑی کوڑی کو ترس رہے ہیں۔ ریاست جوناگڑھ میں حکومت ہند کی فوجی مداخلت سے جو مالی نقصانات ہوئے ہیں وہ کروڑوں سے کم نہیں، جوناگڑھ اور کاٹھیاواڑ کے باشندوں کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی جو گجرات اور بمبئی کے علاقے سے قوم پرست ہندوؤں کے ہاتھوں نقصان اٹھا کر ریاست میں آباد ہونے کی غرض سے آئے تھے وہ بھی دوبارہ اس ظلم وتشدد کا شکار ہوگئے۔ ان مظلوموں اور خوف زدہ مسلمانوں کے لئے ریاست جوناگڑھ ہی مغربی ہند میں ایک جائے پناہ رہ گئی تھی۔ جب وہ لوگ جوق در جوق ریاست جوناگڑھ کا رخ کر رہے تھے تو راستے میں ریلوے اسٹیشنوں پر اور فوجی چوکیوں پر انہیں لوٹا گیا۔ ان کی بے عزتی کی گئی۔ انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں اور ان میں سے بے شمار لوگوں کو ہندی فوج کے سورماؤں نے بے گناہ موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دنیا کی سخت سے سخت جابر قومیں بھی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ایسے ذلیل اقدامات نہ کرسکی ہوں گی جو بھارتی فوجیں ریاست جوناگڑھ میں غاصبانہ قبضہ جمانے کے لئے کرچکی ہیں۔

یہ بے حد افسوس ناک بات ہے کہ حکومت پاکستان ریاست جوناگڑھ کے الحاق کو منظور کر لینے کے باوجود اس کی تباہی کا تماشا خاموشی سے دیکھتی رہی حالانکہ جوناگڑھ، ماناودر، مانگرول، سردارگڑھ، اور بانٹوا وغیرہ کے باشندوں کی جان ومال کی حفاظت کرنا اور ہمارے وقار کو قائم رکھنا حکومت پاکستان کا اولین فرض تھا۔ ان ریاستوں میں جو کچھ بھی ہوا اس کی ذمے داری سے حکومت پاکستان سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ ان دنوں جب ہم ظلم کی چکی میں پس رہے تھے حکومت پاکستان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھی۔ یا ہوسکتا ہے کہ حکومت پاکستان اس لئے خاموش رہی ہو کہ حکومت پاکستان ہر مسئلہ کا آئینی اور قانونی حل تلاش کرنے میں قومی امید رکھتی ہے۔ ہم ان واقعات کی تمام تر تفصیلات بیان کرنا نہیں چاہتے کیوں کہ آپ اور کمیشن کے دیگر ممبران چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی اقوام متحدہ میں کی ہوئی تقاریر کے ذریعے ہماری دردبھری کہانی سے واقف ہیں۔ سیاسی اور آئینی طور پر جوناگڑھ کا مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہے۔ برطانوی پارلیمنٹ کی آزادی ہند کے قانون 1947ء کے مطابق نواب جوناگڑھ کو یہ کلی اختیارات تھے کہ وہ پاکستان ڈومینن سے الحاق کرے تاہم یہ فیصلہ کرنے سے پہلے مندرجہ ذیل باتوں پر پوری توجہ دی گئی تھی۔

نمبر 1:۔ ریاست کی سالمیت اس کا تحفظ اور اس کے ساتھ ساتھ شاہی خاندان کی برقراری۔
نمبر 2:۔ جغرافیائی اتصال۔ ریاست جس کا سمندری کنارہ 150 میل سے بھی زیادہ ہے اور پاکستان کے ساتھ براہ راست بحری راستہ قائم ہے۔
نمبر 3:۔ پاکستان کے ساتھ قدیم کاروباری تعلقات درآمد و برآمد ہونے والی اشیاء ریاست کی بندرگاہ ویراول سے کراچی اور کراچی سے ویراول آیا جایا کرتی تھیں۔
نمبر 4:۔ عوامی نمائندوں کی خواہش اور عوام کے نمائندوں سے مشورہ کیا گیا تھا ان کی متفقہ رائے تھی جس پر نواب صاحب کی حکومت نے عمل کیا۔

ریاستی عوام جن میں غریب و امیر ہر طبقہ شامل تھا انہوں نے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہم نواب جوناگڑھ کے ساتھ ہیں اور وہ جہاں بھی چاہیں اپنی ریاست کا الحاق کرلیں۔ ان کا فیصلہ وہ بخوشی قبول کرلیں گے۔ جوناگڑھ کو پاکستان سے ملحق ہونے کے سوا کوئی اور بہتر راستہ نہیں تھا کیوں کہ مہاراجہ نوانگر جو پہلے صرف کاٹھیاواڑ کی ریاستوں کا وفاق چاہتے تھے لیکن بعد میں اچانک بدل گئے اور اس تگ و دو میں پڑ گئے کہ نہ صرف کاٹھیاواڑ کی ریاستیں بلکہ راجستھان اور سی۔ پی کی ریاستیں مل کر ایک وفاق بنائیں جو شمالی اور جنوبی ہند کے درمیان ایک دالان بن کر رہے اور کانگریس کی بڑھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کرے مگر ریاست جوناگڑھ جو کاٹھیاواڑ کی ریاستوں میں اعلیٰ اور اہم مقام رکھتی تھی اس سازش میں شامل نہ ہوئی، یہی رائے کاٹھیاواڑ کے کئی ایک راجاؤں کی بھی تھی۔ نواب صاحب کی خواہش تھی کہ صرف کاٹھیاواڑ کی ریاستوں کا وفاق بنایا جائے۔ جب مہاراجہ نوانگر کی سازش ناکام ہوگئی تو وہ انتقام کے جذبے میں جوناگڑھ کی مخالفت کے لئے کمربستہ ہوگئے اور ایڑی چوٹی کا زور لگانا شروع کیا کہ کسی بھی صورت میں ریاست جوناگڑھ کا انتظام درہم برہم ہو جائے۔

اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے کاٹھیاواڑ کی ریاستی کانگریس اور اس کے صدر مسٹر ڈھیر کا تعاون حاصل کیا اور ریاستی امور کے وزیر مسٹر پٹیل سے بات چیت شروع کی، ان سب نے مل کر ریاست جوناگڑھ کو تباہ کرنے کی ایک اسکیم مرتب کی اور اسی اسکیم کے تحت جوناگڑھ کی ایک نام نہاد عارضی حکومت بمبئی میں قائم کرائی گئی۔ مسٹر شامڑداس گاندھی اس عارضی حکومت کے سربراہ مقرر ہوئے بعد میں اس عارضی حکومت کا مرکز راجکوٹ بنایا گیا جو کہ مغربی ہند کی ریاستوں کے کمشنر مسٹر بیچ کا ہیڈکوارٹر تھا۔ اس اسکیم کے تحت فوجی سرگرمیاں بھی شروع کردی گئیں۔ حکومت ہند نے ریاست کے چاروں طرف اپنی فوجیں جمع کردیں اور ساتھ ہی ساتھ ناکا بندی بھی کردی تاکہ کسی قسم کا بھی مال ریاست میں داخل نہ ہونے پائے۔ سمندری راستہ بھی ہند بحریہ کا ایک بیڑا لگا بند کردیا گیا۔ اس مہم میں کاٹھیاواڑ کی ریاستی فوجیں بھی شامل کردی گئیں۔ گویا چیونٹی کے مقابلے میں ہاتھی کھڑا کردیا گیا۔ فوجی طیاروں کی روزمرہ کی اڑانیں فوجی نقل و حرکت کی چالاکی۔ درآمد و برآمد کا بند ہونا اور دیگر مختلف کاروائیوں سے ریاستی عوام پست ہمت ہوگئے اس پر بھی اکتفا نہ کرتے ہوئے بھارتی فوجیوں نے ریاستی فوج اور نام نہاد عارضی حکومت کے ساتھ مل کر جوناگڑھ کے وہ علاقے جو ہمسایہ ریاستوں کے بیچ میں واقع تھے ان پر قبضہ کرنا شروع کردیا۔ اس کام کو بخوبی انجام دینے کے لئے انہوں نے بکتر بند گاڑیاں اور توپیں بھی استعمال کیں ہوائی بیڑا بھی بوقت ضرورت مدد پہنچانے کے لئے پرواز کرتا رہتا۔ اسی طریقے سے انہوں نے ماناودر۔ مانگرول۔ بانٹوا۔ بابریاواڑ۔ سردارگڑھ وغیرہ پر بھی جارحانہ قبضہ کیا، یہ سب کچھ پنڈت نہرو کی اس یقین دہانی کے خلاف ہوا جو وہ جوناگڑھ کے الحاق کے مسئلہ پر وزیراعظم پاکستان کو کرا چکے تھے۔

پاکستان ڈومینین کے خلاف یہ جارحانہ کارروائی کرنے کے لئے سرے سے کوئی عذر نہ تھا اور یہ کھلی دشمنی کے سوا کچھ نہ تھا۔ کیوں کہ ایک دفعہ پاکستان سے ملحق ہونے کے بعد ریاست جوناگڑھ پاکستان کا ناقابل تقسیم حصہ بن گیا ہے۔ حکومت ہند کا یہ کہنا ہے کہ جوناگڑھ کی حکومت بخوشی ان کے حوالے کی گئی۔ بالکل غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو انہیں جوناگڑھ گردن میں پھندا ڈال کر اس کے سینہ پر بندوقیں اور سنگین رکھ کر قبضہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ علاوہ ازیں الحاق مکمل ہو جانے کے بعد والی ریاست یا وزارتی کونسل کو قانوناً کوئی حق نہ تھا کہ وہ اس قسم کی استدعا کرتے۔ حکومت ہند کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ پاکستان کی اجازت اور رضامندی کے بغیر ریاست کا انتظام اپنی تحویل میں لے، یہ جارحانہ اقدام تمام معاہدات جو ہندو پاکستان کے درمیان تھے انہیں بالائے طاق رکھ کر کیا گیا۔ اس ظلم و تشدد کا شکار ایک ایسی ریاست کو بنایا گیا جو خوش حال اور آباد تھی۔ جس کے حکمرانوں نے ریاست میں امن و امان قائم کرنے میں اور اس کو ترقی دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا اور جو بلا کسی امتیاز کے رعایا کو شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے ہر مذہب اور فرقے کے لوگوں کو تمام سہولتیں مہیا تھیں جو انہیں کہیں اور نصیب نہیں ہوسکتی تھیں۔ جوناگڑھ میں ہر مذہب کے اوقاف موجود تھے جو حکومت سے امداد حاصل کرتے تھے۔ ریاست جوناگڑھ وہ تاریخی علاقہ ہے جہاں شری کرشن ایک شکاری کے زہر آلود تیر سے ہلاک ہوئے جہاں پر شری مہاویر نے ہر جاندار پر ترس کھانے کے سبق کا آغاز کیا اور جہاں شری گوتم بدھ کی نصیحتیں سیاہ پتھر پر قلم بند ہیں مسلمانوں کو بھی یہ سرزمین اتنی ہی عزیز ہے جہاں تقریباً سات سو سال سے ان کی حکومت رہی اور جہاں تغلق خلجی اور پٹھان سورماؤں نے امن و امان برقرار رکھنے کے لئے اپنی جان کی بازیاں لگادی تھیں۔ ریاست کے دور ماضی کی تاریخی شان و شوکت کے ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ موجودہ دور کے بابی حاکموں نے رعایا کو ترقی کے راستے پر گامزن کیا۔ موجودہ حاکم سر مہابت خان جو بابی خاندان کے ساتویں نواب ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے مالک ہیں جو ان کے آباؤ اجداد میں موجود تھیں۔

ان کی ممنون رعایا نے حال ہی میں ان کے دور کی سلور جوبلی منائی تھی ۔ ولی عہد شہزادہ محمد دلاور خان نے قابل اساتذہ کی نگرانی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے قابل اور تجربہ کار افسران سے نظامی تربیت حاصل کی ہے ان میں بھی وہ تمام خوبیاں اور صفات پائی جاتی ہیں جو ان کے آباؤ اجداد کے کردار کی زینت تھیں ۔ اپنے وطن کو مجبوراً ترک کرنے کے بعد وہ اپنی رعایا کی بھلائی اور بہبودی کی فکر میں بے چینی سے وقت گزار رہے ہیں ۔

جس وقت ریاست پر جارحانہ قبضہ کیا گیا اس وقت بھی نواب صاحب نے اپنے پیغام میں اس خواہش کا خاص طور پر اظہار کیا کہ رعایا کو ہر قیمت پر کشت وخون سے بچایا جائے ۔ جوناگڑھ کے وزیر اعظم سر شاہ نواز بھٹو نے جو ایک تجربہ کار اور باکمال سیاست دان تھے اس نازک اور دشوار گزار وقت کو بڑی خیر وخوبی سے پورا کیا انہوں نے پر زور کوشش کی کہ رعایا جان ومال کے نقصان سے بچ جائے انہوں نے مسٹر گاندھی سے بھی اپیل کی کہ وہ اپنے ذاتی رسوخ کو کام میں لاکر بے گناہ لوگوں کی جان بچانے کے نیک کام میں ضروری امداد کریں ۔ لیکن حکومت ہند پر ان کوششوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ اپنی طاقت کے نشے میں جوناگڑھ کا خاتمہ کرنے پر کمر بستہ تھی ۔ اس کا مقصد تھا کہ پاکستان جو ابھی نوازئیدہ بچہ کی مثل تھا اس کے مسائل میں مزید اضافہ ہوا ۔ تاریخ اور سیاسی حیثیت سے جزیرہ نما کاٹھیاواڑ میں ریاست جوناگڑھ کا درجہ خصوصی رہا ہے ۔ اس کا رقبہ 3684 مربع میل ہے، آبادی آٹھ لاکھ اور سالانہ آمدنی اندازاً ڈیڑھ کروڑ روپیہ ہے ۔ وہاں کاروباری اور صنعتی ترقی کے وسیع امکانات ہیں ۔

ریاست اپنے جنگلات، پہاڑوں اور ندیوں کے علاوہ حسین باغات کے سبب کافی شہرت کی مالک ہے قدرت نے اسے ہر قسم کی دولت سے مالا مال کیا ہے ۔ زمین بے حد زرخیز ہے چاروں طرف ہرے بھرے کھیتوں اور باغ باغیچوں کی وجہ سے جوناگڑھ کاٹھیاواڑ کا کشمیر کہلاتا ہے ۔ آخر میں اپنی داستان غم کے چند واقعات اور مسئلہ جوناگڑھ کے چند اہم پہلو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہم آپ سے منودبانہ اپیل کرتے ہیں کہ انسانیت کے نام پر اور اقوام متحدہ کے اصولوں کے پیش نظر جلد از جلد ایسے طریقے کام میں لائے جائیں اور ایسے ضروری اقدامات کئے جائیں کہ جن سے ہماری مصیبتیں اور تکالیف دور ہوں مسئلہ جوناگڑھ کا بھی فوری حل تلاش کیا جائے جو کسی کی رورعایت کے بغیر انصاف پر مبنی ہو کیوں کہ مسئلہ اہم ہوتے ہوئے بلاوجہ مسئلہ کشمیر کی آڑ میں پس پشت ڈال دیا گیا ہے ۔ ہم آپ سے اور آپ کے ذریعہ اقوام متحدہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ حکومت ہند پر زور ڈالے کہ فی الفور جوناگڑھ کو پاکستان کے حوالے کردے اور اپنی فوجیں وہاں سے ہٹالے ہم قوی امید رکھتے ہیں کہ آپ پوری توجہ سے انصاف کریں گے ۔ اس کار خیر میں خدا آپ کی اعانت فرمائے ۔ **(آمین)**

ہم ہیں آپ کے مخلص ومداح ریاست جوناگڑھ کے مہاجرین

نواب مہابت خانجی کا انتقال

نواب مہابت خانجی کراچی آنے کے بعد اپنے اہل خاندان کے ہمراہ صدر کینٹ کے علاقے میں فاطمہ جناح روڈ کے ایک بنگلے میں رہائش پذیر ہوئے ۔ اس بنگلے کو "جوناگڑھ ہاؤس" کا نام دیا گیا ۔ نواب صاحب اپنی کراچی رہائش کے دوران بہت ہی کم باہر نکلتے تھے ۔ 7 نومبر 1960ء کو نواب مہابت خانجی کا 60 سال کی عمر میں انتقال ہوگیا ۔ انھیں مکمل سرکاری اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا ۔

نواب مہابت خانجی کی یاد میں کراچی کی ایک مشہور سڑک امبنکمنٹ روڈ کو نواب مہابت خانجی روڈ کے نام سے موسوم کردیا گیا ۔ ایک میل طویل اس سڑک کے سرے پر اسمٰعیلی جماعت خانے کی شاندار عمارت کھڑی ہے جب کہ دوسرے سرے پر لی مارکیٹ واقع ہے ۔ سڑک کے ایک طرف کاٹھیاواڑ اور گجرات کے مسلمانوں کی بلند وبالا رہائشی عمارتیں اور دوسری جانب ایک قدیم اسپتال جو سیمنٹ ہاسپٹل کے نام سے مشہور ہے ۔ کتیانہ میمن ایسوسی ایشن کا ایجوکیشنل اینڈ ٹیکنیکل سینٹر، آغا خان گرلز اسکول، بانٹوا کی ایک ان پڑھ محب علم خاتون ہاجیانی خدیجہ بائی کا قائم کردہ رونق اسلام گرلز کالج، انجمن ایرانیاں ہال، کتیانہ میمن ایسوسی ایشن کا پبلک ہال، اسی ادارے کا سیکنڈری اسکول اور کراچی کا ایک وسیع کھیل کا میدان لکری گراؤنڈ واقع ہے ۔ لکری گراؤنڈ کے سامنے ہی بانٹوا میمن خدمت کمیٹی کا پانچ منزلہ وسیع اسپتال بھی واقع ہے ۔ نواب مہابت خانجی جب تک زندہ رہے ۔ رعایائے جوناگڑھ کے لئے متفکر رہے ۔ آپ کے بس میں جو ہوسکا آپ نے اپنی رعایا کی بہتری کے لئے کیا ۔ آپ کی خدمات کو رعایائے جوناگڑھ کبھی فراموش نہیں کرسکتے ۔ نواب صاحب کے علاوہ جوناگڑھ کے دیگر کردار سر شاہ نواز بھٹو نے کراچی آنے کے بعد سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور سانحہ جوناگڑھ کے ٹھیک دس سال بعد 19 نومبر 1957ء میں ان کا انتقال ہوا، سردار پٹیل جوناگڑھ کے سانحہ کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہ سکے اور دسمبر 1950ء میں انتقال کرگئے جب کہ جوناگڑھ کی عارضی حکومت کے صدر

شامڑداس گاندھی سوراشٹرا اسمبلی کے الیکشن منعقدہ 1950ء میں جوناگڑھ کی نشست کے لئے لڑے لیکن ایک مقامی امیدوار کے مقابلے میں شکست کھائی اور دوتین سال بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا۔

بھارتی صوبوں کے ساتھ منسلک کی گئیں بعض دیسی ریاستوں کے عوام میں نئے حکام کی بدانتظامی کے خلاف انتشار پیدا ہونے لگا۔مغربی بھارت کے بعض سابق حکمرانوں نے اپنی ریاستوں سے بدانتظامی ختم کرانے کے لئے بھارت سے کئے گئے الحاق سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا۔انہوں نے 1951ء کی ابتدا میں بمبئی میں ایک علیحدہ یونین تشکیل دی۔بڑودہ کے مہاراجہ پرتاب سنگھ راؤاس یونین کے صدر تھے وہ مختلف ریاستوں میں جاکر الحاق کے خلاف پروپیگنڈا کرنے لگے چنانچہ انہیں اپریل 1981ء میں معزول کرکے ولی عہد فتح سنگھ راؤ کو مہاراجہ بنادیا گیا اس کے ساتھ ہی الحاق کے خلاف تحریک کا خاتمہ ہوگیا۔

نواب محمد دلاور خانجی کا احوال

ولادت:۔

23 جون 1922ء بروز جمعہ ہز ہائنس منور جہاں بیگم کے بطن سے ولی شہزادے تولد ہوئے جن کا نام دلاور خان رکھا گیا۔ساٹھ سال سے اس قسم کا موقع باشندگان جوناگڑھ کو نصیب نہیں ہوا تھا اس لئے سب منتظر تھے پورے جوناگڑھ میں دلاور خانجی کی ولادت کی خوشی بڑے پیمانے پر منائی گئی۔ 24 جون کی صبح اس مبارک موقع کی خوشی میں پندرہ توپیں داغی گئیں۔دس بجے راج محل کے قریب شامیانے میں کچہری منعقد ہوئی۔24 اور 25 جون تاریخوں کی میں تمام دفاتر میں تعطیل منائی گئی۔ہر طرف سے مبارک باد کے سیکڑوں ٹیلی گرام موصول ہوئے۔انگلستان کے بادشاہ وائسرائے، گورنر جنرل ہندوستان، بمبئی اور مدراس کے گورنر، والیان ریاست اور دیگر ممتاز حکام اور شخصیتوں نے مبارک باد کے پیغامات بھیجے۔ساڑھے تین بجے دربار ہال میں 30 جون کو چھٹی کے سلسلے میں شاندار دربار منعقد ہوا جس میں نواب سرمحمد مہابت خان شریک تھے۔امراء حکام اور ریاست کی تمام اقوام اور جماعتوں کے نمائندے موجود تھے۔جوناگڑھ کے عوام کی جانب سے مسٹر گردھر لال ڈھولکیا نے تہنیت نامہ گجراتی زبان میں پڑھ کر سنایا جس میں ولی عہد دلاور خان کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ نواب محمد مہابت خان کے تمام ملازمین، عہدیدار، مہاجن، بیوپاری، امراء، جاگیردار، شرفا اور کاشت کار سب کے حقوق کی یکساں حفاظت ہوتی ہے۔نواب صاحب رعایا کی فلاح وبہبود کے واسطے لاکھوں روپے خرچ کرکے ان کے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں اور دیگر بڑے بڑے مصارف اٹھا کے ان کے لئے روزی کا سامان کرتے ہیں۔دیگر طریقوں سے ان کی آرام وآسائش کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔مفلسوں کو ہمیشہ وقت پر امداد ملتی ہے۔اس تہنیت نامے کا جواب نواب سرمحمد مہابت خان کی طرف سے دیوان صاحب نے پڑھا جس کی تلخیص مندرجہ ذیل ہے۔

میری عزیز اور وفادار رعایا کے ممتاز حضرات!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے خاندان میں ولی عہد شہزادے کی ولادت کے مبارک اور پرمسرت موقع پر آپ سب نے جس مسرت اور وفاداری کا اظہار کیا وہ میرے لئے نہایت خوشی اور اعتماد کا باعث ہے۔ریاست کی پائیداری کا دارومدار رعایا پر ہوتا ہے رعایا کی خوشحالی ہی حکومت کی خوشحالی کے مترادف ہے۔رعایا کی ترقی اور مفاد ہی حکومت کی دولت اور شان وشوکت ہے۔رعایا میں اتحاد اعتماد اور طمانیت ہی حکومت کی کارکردگی کا ثبوت ہے۔ہماری تخت نشینی کے موقع پر میونسپل ہال کے افتتاح کے وقت مورخہ 15 اگست 1920ء کو ہم نے حکومت کی طرف سے متعدد نوازشات کا اعلان کیا تھا لیکن اس بڑے پرمسرت موقع پر ان میں مزید اضافہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ہم حسب ذیل مراحات کا اعلان کرتے ہیں۔

(1) اس حکومت کے خالصہ کاشت کاروں کے ذمے واجب الادا رقوم معاف کی جاتی ہیں۔جن کاشت کاروں پر تقاوی کا سود چڑھا ہوا ہے اور بھی انہوں نے ادا نہیں کیا ہے وہ معاف کیا جاتا ہے۔

(2) لنگر، یتیم خانہ، سینٹرل جیل کے قیدی اور کوڑھیوں کے اسپتال میں کھانے دیئے جائیں۔شہر جوناگڑھ کے چوراسی ذاتوں کے برہمنوں کو مناسب دن ہر ایک کا الگ الگ کھانا کیا جائے اور شہر میں دعوت عام کا اہتمام کیا جائے۔

(3) محکمہ تعلیم کے اساتذہ کو خصوصی مراحات دی جائیں۔

(4) جوناگڑھ کے پرائمری اسکولوں کے لڑکے اور لڑکیوں میں شکر تقسیم کی جائے۔بہادر خانجی ہائی اسکول اور مہابت مدرسے کے طالب علموں میں سب سے زیادہ نمبر

پانے والے چار طالب علموں کو انعامات دیئے جائیں۔

(5) سینٹرل جیل کے قیدیوں کے لئے رعایت (A) بڑی مدت کے قیدیوں جیون موڑا، سیدی پیر واور منور رحیم کو رہا کیا جائے (B) جن قیدیوں نے کم از کم نصف سزا بھگت لی ہے اور ان کا جرم سخت نہیں ہے۔ نیز 23 جون 1922ء کے دوران کی سزائیں چھ ماہ سے زیادہ نہیں ہیں تو ایسے قیدیوں کو رہا کیا جائے۔ (C) جن قیدیوں کی سزا میں سے جتنے برس اور مہینے باقی ہیں، ان کے لئے ایک ماہ فی برس اور پندرہ روز فی ششماہی کے حساب سے باقی رہ جانے والی سزا میں کمی کی جائے۔ (D) دیوسورو الا جسے پھانسی کی سزا کا حکم ہو چکا ہے، اس کی یہ سزا بدل کے دوام حبس کی سزا رکھی جائے۔

(6) جمال، موسیٰ اور گیگارانا قزاقوں کو بیس بیس سال، ابراہیم جھکرا ولی تا راور کالو ننھے خان قزاقوں کو بارہ بارہ سال کی سزا ہوئی ہے۔ ان کی 23 جون 1922ء کو جتنی سزا بھگتنا باقی ہو، اس کی نصف معاف کر دی جائے۔

(7) اس ریاست میں بھایات گراسیہ اور جاگیرداروں کے پاس جو پورا گاؤں ہو یا قطعہ اراضی ہو، ان کی حدود میں ان کے یا گاؤں والوں کے جانور ایسی زمینوں میں چرتے ہوں تو ان سے جمع پونجی کا ٹیکس لیا جاتا ہے اس طرح ان کی حدود میں ان کا یا لوگوں کا کوئی جانور مر جائے تو اس کی ہڈی، چمڑا اور سینگ ریاست لیتی ہے یہ سب موقوف کیا جائے۔

(8) اس ریاست کے بھایات، مول گراسیہ اور جاگیردار جو شہر جوناگڑھ میں رہتے ہوں، وہ اگر اپنے گاؤں یا زمین میں سے اپنے گھر کے استعمال کے لئے کوئی چیز لائیں تو ان سے چنگی نہ وصول کی جائے۔

(9) ٹکسال کے قرض دار، بھایات گراسیہ یا جاگیرداروں سے یکم ستمبر 1921ء سے 31 اگست 1922ء تک جو سود لینا ہو، اسے معاف کیا جاتا ہے۔

(10) شہر اور محالات کی رعایا میں سے غرباء کو پانچ ہزار روپے تک کے کپڑے تقسیم کئے جائیں۔

(11) شہر میں بوجہ گرانی ایندھن کی بہت تکلیف ہوتی ہے اسے دور کرنے کے لئے شروع سال میں شہر میں لکڑی کی ٹال کھولی جائے۔

(12) شہر کے بنجر اپول میں ناقص مویشیوں کی امداد کے لئے دوسو کیاون روپے کی رقم بطور امداد دی جائے۔

(13) کیشو د کے یتیم خانے اور اناتھ آشرم میں پانچ سو ایک روپے کی رقم بطور امداد دی جائے۔

(14) سالانہ بجٹ میں غرباء کی امداد کے لئے سترہ ہزار نو سو پچیس روپے مقرر ہوا کرتے ہیں۔ اس میں مورخہ یکم ستمبر 1922ء سے ولی عہد دلاور خانجی کی ولادت کی خوشی میں ہمیشہ کے لئے بارہ سو روپے کا اضافہ کیا جائے۔

(15) جوناگڑھ کی مسجدوں اور درگاہوں کے لئے ایک ہزار روپے اور ہندوؤں کے مندروں کے لئے ایک ہزار روپے بطور خیرات دیئے جائیں اور ممتاز آدمیوں کی ایک کمیٹی ان رقوم کے خرچ کے لئے مقرر کی جائے۔

(16) اس ریاست کے ملازمین، خدمت گار، پنشنر یا پرورش یافتہ جنہیں پچاس روپے ماہانہ تک ملتا ہو، انہیں ایک ماہ کی رقم بطور انعام دی جائے۔ ملازمین اور خدمت گاروں کے لئے مزید سہولتیں اور مراعات دی جا رہی ہیں۔

(17) دلاور خانجی کی ولادت کے مبارک اور پر مسرت موقع پر ایک عام عشائیہ حضور آفس کی عمارت میں مناسب تاریخ کو دیا جائے۔ رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنا ہم اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔ آخر میں میں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ نے ہمارے لئے جو اعلیٰ خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کے لئے ہم فخر کے ساتھ اظہار مسرت کرتے ہیں۔

ولی عہد دلاور خانجی کی ولادت کے اس پر مسرت واقعہ سے تمام زمینداروں اور رعایا کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف سے لوگ بدھاوا دینے کے لئے دور دور سے آتے رہے۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک مبارک باد اور بدھاوے کا سلسلہ جاری رہا۔ محال ویساور کی انباندی کے کنارے پر ایک نیا گاؤں بسایا گیا اور 8 ستمبر سے شہزادہ ولی عہد محمد دلاور خانجی کے نام پر اس کا نام دلاور پور کیا گیا۔

تعلیم:۔

نواب محمد دلاور کی عمر جب 6 سال تھی تو آپ کی تعلیم و تربیت کے لئے ضروری انتظامات کئے گئے۔ کیپٹن ہاروے جونز آپ کے پہلے اتالیق مقرر ہوئے لیکن چند ماہ کے بعد ریاست سے ان کا تبادلہ ہو گیا تو ان کی جگہ کیپٹن ولیمس مقرر ہوئے۔ اردو کی تعلیم کے لئے مدرسۃ المعلی کے پرنسپل عبدالرحمان کا تقرر ہوا۔ تقریباً ایک سال تک کیپٹن ولیمس

اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے بعد میں ستمبر 1929ء میں وہ نائب وزیر کے عہدے پر فائز ہوئے ان کی جگہ میجر وٹلی نے لے لی۔ آپ 1932ء میں اپنے اتالیق کے زیر نگرانی ہندوستان کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ آپ کے بھائی شہزادہ ہمت خان (چھوٹا بابو) بھی ساتھ تھے۔ آپ نے بمبئی، پونا، اٹک منڈ، دہلی، شملہ وغیرہ مشہور مقامات کی سیر و تفریح کی اور ماہ مارچ میں وائسرائے ہند کے دربار میں بھی شرکت کی۔ آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے 1933ء میں انگلستان روانہ ہوئے۔ وہاں سیلہری اور امپریل سروس کالج میں 7 سال تعلیم حاصل کی اور لندن میٹرک کے امتحان میں اعزاز کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ بی اے کے امتحان میں ابھی چند ماہ باقی تھے کہ 1939ء میں عالمی جنگ چھڑ گئی۔ والد کی خواہش پر آپ جوناگڑھ واپس چلے آئے۔ آپ نے انگلستان میں فوجی افسران کے تربیتی کورس بھی کئے اور امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ جوناگڑھ واپس آنے کے بعد آپ نے امور ریاست میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا۔ ریاست کے مختلف محکموں میں اعلیٰ افسر کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔ آپ نے ضروری اصلاحات بھی کیں ان اصلاحات کے باعث انتظام میں بہتری آ گئی۔ کاٹھیاواڑ کے والیان ریاست کے اجلاس میں آپ بالخصوص شرکت فرماتے۔ سماجی اداروں کی سرگرمیوں میں بھی آپ کا حصہ ہوتا۔ مغربی ہند کی کرکٹ ٹیم کے سات سال تک کپتان رہے اور بڑے بڑے مقابلوں میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ آپ ایک عمدہ نشانہ باز بھی تھے۔ ریاست کا گیر جنگل جو ایک بہترین شکارگاہ کے طور پر جانا پہچانا جاتا تھا آپ کے شکار کے شوق کو پورا کرتا رہا۔ ترقیاتی منصوبوں میں گہری دلچسپی کے باعث ریاست جوناگڑھ میں صنعتی انقلاب لانے میں آپ کا بڑا ہاتھ تھا۔

جس وقت بھارتی فوجوں نے جوناگڑھ پر قبضہ کر لیا تو آپ بھی شاہی خاندان کے ساتھ کراچی تشریف لائے۔ حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا کہ مسئلہ جوناگڑھ کو اقوام متحدہ میں بلا تاخیر پیش کر دیا جائے۔ آپ نے سرکاری حلقوں کے ساتھ رہ کر ضروری دستاویز تیار کرائیں۔ کراچی میں بھی آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ جوناگڑھ کے عوام کے مسائل کو حل کرنے کی کوششوں میں صرف ہوتا تھا۔ آپ ہی کی کاوشوں سے زرعی ملکیتوں کے وعدوں کی منظوری، اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں عوام کے لئے مخصوص نشستیں، مستقل آبادکاری وغیرہ کے مسائل حل ہوئے تھے۔

دستار بندی:۔

27 مئی 1949ء میں بھوپال کے شاہی خاندان میں آپ کی شادی مسرت جہاں (شاہ بیگم) سے ہوئی، اور آپ کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ بڑے شہزادے کا نام محمد جہانگیر خان جبکہ چھوٹے شہزادوں کے نام محمد عالمگیر اور محمد ظہیر خان ہیں۔ نواب مہابت خان کے انتقال کے بعد آپ کو والئی جوناگڑھ تسلیم کیا گیا اسی حیثیت سے ملکہ الزبتھ پاکستان کے دورے پر تشریف لائی تھیں، ملاقات کی۔ آپ کی رسم دستار بندی 21 اپریل 1961ء بروز جمعہ کراچی کے ایوان صدر میں منعقد ہوئی۔

صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ادائیگی رسم کے بعد اپنی تقریر میں فرمایا۔

"اس تقریب سعید میں شرکت کرنا میرے لئے باعث مسرت ہے۔ حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو آپ کے مرحوم و ممتاز والد کی جگہ والئی جوناگڑھ تسلیم کیا جائے اس کی تعمیل میں آپ کی رسم دستار بندی ادا کرتے ہوئے مجھے بے حد مسرت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے شاہی خاندان کی عمدہ روایات کو برقرار رکھیں گے۔ تربیت و تمدن کی وہ میراث جو آپ کو اس روشن خیال خاندان سے ملی ہے جس کی تاریخ ڈھائی سو سال پرانی ہے آپ کی امداد کرے گی۔ میں آپ کو اس مقدس تقریب پر پرخلوص مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر دراز عطا فرمائے تاکہ آپ شاہی خاندان کے وقار کو تادیر قائم رکھ سکیں۔"

ادائیگی رسومات کے بعد نواب دلاور خانجی نے اپنی تقریر میں کہا۔

"میں اپنے عزیز والد مرحوم کے انتقال پر ملال کے بعد جس خلوص اور نظر کرم سے نوازا گیا ہوں اس کے لئے جناب والا کا حکومت پاکستان کا بے حد ممنون ہوں۔ میں نے جو عرض کیا اس کا بہترین ثبوت آپ کی ہمدردانہ توجہ کے ساتھ آپ کے دست مبارک سے اس رسم کی ادائیگی ہے۔ میرے لئے یہ وقت گہری سنجیدگی کا ہے کیوں کہ آج میرے شانوں پر وہ بارگراں رکھا جا رہا ہے جس بوجھ کو میرے والد مرحوم نے ریاستی تاریخ کے اہم واقعات سے بھرپور ایک طویل مدت یعنی اُنتالیس سال تک خیر و خوبی سے برداشت کیا اس طویل عرصہ میں ایک موقع ایسا بھی گزرا جب انہیں ایک اہم اور ایسا فیصلہ کرنا پڑا جس کے اثرات نہ صرف شاہی خاندان بلکہ رعایائے ریاست کی تقدیروں پر پڑے تھے۔ وہ اہم فیصلہ پاکستان سے ریاست کے الحاق کی شکل میں نمودار ہوا۔ اندازاً پانچ سو سے زیادہ والیان ریاست میں آپ ہی پہلے تھے جنہوں نے اس کٹھن راہ پر قدم رکھنے کی جرأت کی اس کا جو انجام ہوا وہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے اور ملت نے ان کے ایثار کی قدر کرتے ہوئے انہیں اعزاز و احترام کے ساتھ سپرد خاک کیا۔ جہاں تک میری اول الذکر ذمہ کا تعلق ہے میں یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ آپ مجھ میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہ پائیں گے۔ دوئم ذمہ داری صرف اسی حد تک ادا کر سکتا ہوں کہ اپنی ریاست کے عوام کی تکالیف کو آپ کے اور حکومت پاکستان کے سامنے پیش کر دوں لیکن مجھے کامل یقین ہے کہ ان کے تدارک کی فوری طور پر کوشش کی جائے گی۔ آخر میں آپ کا

بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ آپ نے اس رسم کی ادائیگی میں اس قدر تکلیف گوارا فرمائی۔ تمام حاضرین کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے شرکت فرما کر مجھے اعزاز بخشا۔"

دستار بندی کے بعد جوناگڑھ ہاؤس میں ایک دربار منعقد کیا گیا جس میں درباری شاعر کامل جوناگڑھی نے مرحوم نواب مہابت خانجی اور نواب دلاور خانجی کو مبارکباد دیتے ہوئے کچھ اشعار پیش کئے تھے۔ ریاست کے وفادار رہنماؤں اور کارکنوں نے نذرانے پیش کئے۔ موقع کی مناسبت سے چند تقاریر بھی کی گئیں۔ یہ جشن بڑی دھوم دھام سے منایا گیا تھا۔ عوام کو مستقبل کی تاریکی میں ایک روشن شعاع نظر آنے لگی۔ یہ رسم اس حقیقت کا انکشاف تھی کہ حکومت پاکستان نے جوناگڑھ کو فراموش نہیں کیا ہے۔ نواب دلاور خانجی کے جذبات و احساسات کا اظہار اس تقریر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے 9 نومبر 1962ء میں حیدرآباد میں یوم جوناگڑھ کے موقع پر ایک جلسہ عام میں کیا۔ یہ جلسہ پاک سورٹھ ویلفیئر ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ہوا تھا۔

"ریاست جوناگڑھ کے محبوب عوام اور ہمارے کاز کے بہی خواہ حاضرین!

آج رات آپ کے درمیان میری موجودگی میرے لئے باعث مسرت ہے۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ آج ہم یہاں اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ جوناگڑھ کے پاکستان کے الحاق اور پندرہ سال قبل اس پر غاصبانہ قبضہ کی یاد تازہ کریں۔ تقسیم ہند کے وقت جب ہم نے اپنی قسمت کو اس ملک کے ساتھ وابستہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو اس وقت ہم نہایت مطمئن تھے اور امن و آشتی کے ساتھ اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ ہماری مادر وطن ریاست تین صدیوں سے زیادہ خوشحالی میں پھلتی پھولتی رہی تھی۔"

اس کے بعد وہ نازک مرحلہ آیا جب ہمیں ایک بہت اہم فیصلہ کرنا پڑا۔ ایک ایسا فیصلہ جس کے ساتھ ہر وہ چیز وابستہ تھی جس کی ہم دل و جان سے قدر کرتے تھے۔ ہمارا وہ فیصلہ آج ایک تاریخ بن گیا ہے اور اس تاریخی فیصلے نے ہمیں بے شمار صعوبتوں سے دوچار کر دیا ہے لیکن ہم نے ان تمام صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا کیوں کہ ہم یہ جانتے تھے کہ ہماری یہ قربانیاں اور مصیبتیں اس مضبوط اعتقاد اور اعلیٰ مقصد کے لئے تھیں جو ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز تھا اور یہی وہ نکتہ تھا جس کو میں نے رسم دستار بندی کے بعد صدر پاکستان سے اپنے خطاب میں سب سے زیادہ اہم قرار دیا تھا۔ میں نے اس حقیقت پر بھی زور دیا کہ ریاست جوناگڑھ اور کاٹھیاواڑ کی ان ریاستوں کے عوام جو پاکستان کے ساتھ ملحق شدہ ہیں۔ اس ملک یعنی پاکستان پر کسی بھی طرح بوجھ ثابت نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے پاکستان کو ایک عظیم مملکت بننے کے لئے حتی الوسیع اپنی کوششیں صرف کی ہیں۔ ہم نے فی الحقیقت کھیلوں کے میدان میں بھی اپنا حصہ بخوبی ادا کیا ہے اور ان کھیلوں میں ریاست جوناگڑھ کے مایہ ناز کھلاڑیوں نے پاکستان اور سمندر پار کے کھیل کے میدانوں میں ریاست کے پرعظمت جھنڈے کو فضا میں لہراتے ہوئے بلند رکھا ہے۔ یہ بات باعث فخر ہے کہ ہماری ریاست کے عوام کے لئے حکومت نے میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں داخلہ کی نشستوں کا ایک حصہ مخصوص کر دیا ہے نشستوں کی مخصوص تعداد کا یہ حق ایک دفعہ منسوخ کر دیا گیا تھا مگر بعد میں یہ حق پھر بحال کر دیا گیا۔ آپ نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے اس بات پر دکھ کا اظہار کیا کہ پاکستان یا کسی دوسری جگہ پر جوناگڑھ کے متعلق بہت ہی کم کچھ کہا جاتا ہے۔ شاید آپ میرے خیال سے متفق ہوں کہ کسی بھی جگہ جوناگڑھ کے اس منصفانہ اور جائز مسئلہ کی تجدید کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا جاتا۔ میں نے صدر پاکستان سے اپنے خطاب کے دوران جوناگڑھ کے عوام اور اپنی جانب سے یہ توقع ظاہر کی تھی کہ جہاں صدر مملکت اور ان کی حکومت نے دوسرے اور اہم پیچیدہ مسائل کا مقابلہ کیا ہے وہاں وہ ازراہ کرم اپنے ذہن میں جوناگڑھ کے مسئلے کو بھی جگہ دیں۔

میں صدر پاکستان اور ان کی حکومت کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ضرورت پڑے گی تو جوناگڑھ کے عوام اسلام اور پاکستان کی بقا و سلامتی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے ہرگز دریغ نہیں کریں گے۔ خدائے برتر پر یقین کامل کے ساتھ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ انشاء اللہ ہمیں آپ کسی بھی قومی معاملہ میں ذرا بھی کوتاہ اور غافل نہیں پائیں گے۔ آخر میں میں آپ سب حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ میری آپ نے اس قدر عزت افزائی کی اور میری بیزار کن گزارشات کو نہایت صبر و استقلال سے سماعت فرمایا۔ میں بارگاہ ایزدی میں صمیم قلب کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ پر اپنی برکات نازل کرے اور جوناگڑھ ہمیشہ زندہ رہے، پاکستان زندہ باد، جوناگڑھ پائندہ باد۔ نواب دلاور خانجی جوناگڑھ کے عوام کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ ریاست جوناگڑھ کے باشندوں کے قائم کردہ سماجی اور تعلیمی اداروں کی طرف سے منعقد اجلاسوں میں شرکت کرتے اور سیاست سے دور رہتے تھے۔ شہرت سے دور رہنے کے باوجود بھی نواب دلاور خانجی کا 1976ء میں بطور گورنر سندھ تقرر کیا گیا اور انھوں نے 1979ء تک اس عہدے کے فرائض انجام دیئے تھے۔

وفات:۔

نواب دلاور خانجی بہت مذہب پرست آدمی تھے۔مطالعہ کے بہت شوقین تھے۔وہ بے حد ملنسار،حلیم الطبع اور خوش مزاج طبیعت کے مالک تھے۔ریاست جوناگڑھ میں ہونے والے تمام واقعات سے باخبر رہتے تھے اور وہاں کی عوام کے کسی بھی قسم کی آفت میں مبتلا ہونے کی صورت میں وہ اس کا شدید اثر لیتے تھے۔نواب دلاور خانجی 30 جولائی 1989ء میں 67 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔آپ کے بڑے بیٹے محمد جہانگیر خانجی کو آپ کی جگہ والئی جوناگڑھ تسلیم کیا گیا ہے۔نواب دلاور خانجی کی وفات کے وقت ہم نے ان کے گھر کے افراد سے ان کے متعلق تاثرات معلوم کئے وہ آپ بھی سنیں۔دلاور خانجی طویل عرصے تک انگلستان میں مقیم رہے تھے مگر اپنے ثقافتی اور دینی ورثے کو انہوں نے کبھی فراموش نہیں کیا تھا۔"نواب دلاور خانجی مرحوم کے بڑے صاحبزادے نوابزادہ محمد جہانگیر خانجی نے بتایا کہ ان کے والد سیدھے سادے آدمی تھے۔اسلام اور پاکستان سے انہیں بے پناہ محبت تھی دولت کی انہوں نے کبھی پروا نہیں کی۔جوناگڑھ کے مسلمان پاکستان آتے تھے اور ان کی پذیرائی ایسی ہوتی تھی جیسی کسی اہم شخصیت کی کی جاتی ہے۔نواب دلاور خانجی کی وفات جوناگڑھ کی رعایا اور پاکستان کے عوام کا ایک عظیم نقصان ہے۔"

نواب دلاور خانجی کی چہیتی بہن شہزادی تاج بخت کے صاحبزادوں،صاحبزادہ محمد سمیع خان،صاحبزادہ غلام محمد اور صاحبزادہ شہریار محمد نے اپنے سگے ماموں کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے مشترکہ بیان میں کہا"ہمیں اپنے پیارے ماموں جان نواب محمد دلاور خانجی کی وفات سے جو صدمہ پہنچا ہے اسے الفاظ کی شکل دینا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے ہم صرف اتنا ہی کہیں گے کہ ہمارے سر پر ہمارے آخری بزرگ کا سایہ تھا وہ اٹھ گیا۔آج ہم بالکل بے سہارا ہو گئے ہیں۔صحیح معنوں میں ہم آج یتیم ہوئے ہیں کیوں کہ ہمارے پیارے ماموں الحاج محمد دلاور خانجی کا دم ہمارے لئے غنیمت تھا۔ان کی موجودگی ہمارے خاندان کے تمام چھوٹے بڑوں کے لئے بے انتہا سکون اور اطمینان کا باعث تھی۔ہم نے اپنی والدہ محترمہ شہزادی تاج بخت صاحبہ کے انتقال کے بعد بھی اپنے آپ کو بے سہارا اور بے آسرا نہیں سمجھا تھا کیوں کہ ہمارے ماموں جان ہمارے درمیان موجود تھے۔ہم حکومت پاکستان سے التماس کرتے ہیں کہ نواب محمد دلاور خانجی مرحوم کو جو مراعات حکومت پاکستان کی طرف سے حاصل تھیں وہ تمام ان کے بڑے بیٹے نوابزادہ محمد جہانگیر خانجی کو دے دی جائیں حکومت پاکستان کا یہ اقدام ہمارے خاندان اور جوناگڑھ کی رعایا کے لئے اطمینان کا باعث ہوگا۔"

نواب دلاور خانجی کی دوسری بہن شہزادی امراؤ بخت کے صاحبزادے غلام معین الدین نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا"ماموں جان نواب محمد دلاور خانجی بلاشبہ ایک عظیم انسان تھے۔انہوں نے اپنا سب کچھ اپنے مقدس وطن پاکستان کی خاطر لٹا دیا ان کے سامنے ان کی رعایا کے ساتھ خون کی ہولی کھیلی گئی،سب کچھ لوٹ لیا گیا ان کے پاس تھا ہی کیا اپنے لوگوں کی محبت،خلوص،انسانیت،ایثار،جذبہ اور حب الوطنی یہ سب کچھ ان کی دولت،ان کا سرمایہ تھا۔"

میمنوں کی پاکستان آمد

جوناگڑھ پر قبضہ ہو چکا تھا۔ہندو سامراج جیت چکا تھا۔ریاست جوناگڑھ اور کتیانہ کے مہاجرین کی ہجرت شروع ہو گئی تھی۔حالات بڑے گمبھیر تھے۔ان مہاجرین کی آخری منزل کراچی تھی۔کراچی میونسپل کمیٹی کے صدر قاسم سلیمان ویانی نے اوکھائی میمن جماعت بنا کر باہر سے آنے والے میمن خاندانوں کو رہائش اور الاٹمنٹ کی سہولتوں کے سلسلے میں کام شروع کر دیا تھا۔سندھ کے وزیر اعلیٰ ایوب کھوڑو بھی ان کے ساتھ بہت تعاون کر رہے تھے۔

کراچی کی بندرگاہ کے علاوہ سندھ اور راجستھان کی سرحد پر واقع کھوکھراپار کے راستے سے بھی مہاجرین کی ایک بڑی تعداد آ رہی تھی۔ان حالات پر غور وفکر کرنے کے لئے قاسم سلیمان کی قائم کردہ ریلیف کمیٹی کے تحت میمن رہنماؤں اور بڑے تاجروں کی ایک میٹنگ ملبار ٹریڈنگ کمپنی کے دفتر میں طلب کی گئی۔حاجی ولی محمد قاسم دادا کی زیر صدارت اس میٹنگ میں مہاجرین کی بہتر منصوبہ بندی اور وسیع پیمانے پر امدادی کارروائی کرنے کے لئے اور میمن برادری کا تعاون حاصل کرنے کی غرض سے ایک جلسہ عام منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔پاکستان کی سرزمین پر یہ میمنوں کا پہلا جلسہ عام تھا۔یہ جلسہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔اس جلسے کو کامیاب بنانے کے لئے میسورا سٹیٹ مسلم لیگ کے نائب صدر جناب عبدالغنی دولا کا بہت کام ہے۔یہ جلسہ نومبر 1947ء کے وسط میں بھاونگرا سٹیٹ مسلم لیگ کے صدر عبدالقادر موسی لاکھانی کی زیر صدارت بمبئی بازار کے بڑے چوک میں منعقد کیا گیا تھا۔یہ جلسہ ایک کامیاب جلسہ تھا۔مشہور ومعروف رہنما آدم جی حاجی داؤد نے بحری اور بری راستوں سے امڈتے ہوئے مہاجرین کی آمد سے پیدا شدہ سنگین حالات کا جائزہ پیش کیا۔انہوں نے میمن برادری کی مظلوم انسانیت کے لئے انجام دی گئی سابقہ خدمات اور خصوصاً بہار اور کوئٹہ کے زلزلوں کے دوران میمن ریلیف کمیٹی کلکتہ کی

تاریخی خدمات یادلائیں ۔آخر میں انہوں نے پاکستان جیسے نوزائیدہ ملک کے سامنے پیش آنے والے ان سنگین حالات سے ملک کو نکالنے کے لئے ایک ایسی ہی میمن ریلیف کمیٹی قائم کرنے پر زور دیا۔

یوں ایک ریلیف کمیٹی کا قیام عمل میں آ گیا ۔حاجی ولی محمد قاسم اس کمیٹی کے صدر،عثمان عیسیٰ بھائی میمن ،عبداللطیف آدبی موتی والا کو نائب صدر بنایا گیا جب کہ اعزازی سیکریٹری کی ذمہ داری عبدالقادر لاکھانی کے سپرد کی گئی۔ جوائنٹ سیکریٹری کے عہدے کے لئے عبدالغفار چھوٹانی اور سلیمان آدم کا انتخاب کیا گیا ۔خزانچی کی ذمے داری عبدالقادر لاکھانی کے سپرد کی گئیں ۔میمن ریلیف کمیٹی کے وجود میں آتے ہی میمنوں کی فلاح و بہبود کا کام زور وشور سے شروع ہوگیا ۔سب سے پہلے تو کھوکھراپار اسٹیشن پر امدادی کارروائیاں شروع کردی گئیں ۔مہاجرین کو شدید دھوپ سے بچانے کے لئے کھوکھراپار اسٹیشن پر ایک وسیع وعریض سائبان تعمیر کرایا۔ روزانہ تقریباً ایک ہزار مہاجرین کو پکا پکایا کھانا فراہم کرنے کے انتظامات کئے ۔کمیٹی نے کھوکھراپار سے اگلے اسٹیشن "چھوڑ" سے بذریعہ ریلوے ٹینکر پانی منگوانے کا بھی بندوبست کیا۔ٹرین کی آمد کی تاخیر کی صورت میں پانی کا ذخیرہ کرنے کے لئے مٹی کی بڑی بڑی ٹنکیاں بنوائی گئیں،اچانک حادثے کے پیش نظر ابتدائی طبی امداد کا بھی بندوبست کیا گیا۔

میمن ریلیف کمیٹی نے اس وقت میمنوں کے لئے جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہیں اگر میمن اکٹھے ہو کر یہ قدم نہ اٹھاتے تو وہ آج دوسری قوموں کی طرح بکھر گئے ہوتے میمن ریلیف کمیٹی نے دیگر صوبوں اور ریاستوں سے آنے والے مہاجرین کا بھی ہر طرح سے خیال رکھا اور کسی قسم کے امتیاز کے بغیر انہیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں ۔اس کمیٹی کے کیمپ سپروائزر کے طور پر سب سے پہلے سلیمان آدمجی اور بعد میں عبدالغفار چھوٹانی اور قاسم سلیمان نے گراں قدر خدمات انجام دیں ۔ میمن ریلیف کمیٹی نے کراچی میں مختلف مقامات پر گیارہ کیمپ قائم کئے ہوئے تھے۔کھوکھراپار سے آنے والے ان مہاجرین کو ان کیمپوں میں پہنچایا جاتا اور انہیں غذا اور رہن سہن کی تمام سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں ۔ریلیف کمیٹی نے موجودہ مدرسہ اسلامیہ نمبر 1 نمبر 2،اوکھائی میمن مدرسہ،آغا خان اسکول کھارادر (جو اس وقت الیگزنڈرا اسکول کے نام سے مشہور تھا) عیدگاہ کے علاقہ میں واقع سیتا رام بلڈنگ،نانک واڑہ کی کچھ عمارتوں میں اپنے کیمپ قائم کئے ہوئے تھے۔ان تمام کیمپوں میں بیک وقت پندرہ سے بیس ہزار مہاجرین کو سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں ۔ان تمام کیمپوں کا انتظام سنبھالنے کے لئے والنٹیئر کور تشکیل دیا گیا تھا اس کے کیپٹن گجراتی کے معروف شاعر رفیق حمیدانی تھے۔کارکردگی کے پہلے سال میمن ریلیف کمیٹی نے تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ کئے تھے ۔بعد میں اس خرچ میں اضافہ ہوتے ہوتے آخری سالوں میں خرچ سالانہ چار سے چھ لاکھ روپے تک پہنچ گیا تھا۔ کمیٹی کے پاس رقم کی کوئی کمی نہیں تھی ۔تمام تر اخراجات کمیٹی کے ممبران ہی پورے کرتے تھے۔کچھ امداد بغیر مانگے بھی مل جاتی تھی چنانچہ کمیٹی کو کبھی بھی دیگر افراد سے امداد طلب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی ۔میمن ریلیف کمیٹی کی حکام کے نزدیک بڑی قدر ومنزلت تھی ۔وہ اس کمیٹی کے رہنماؤں کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچاتے تھے۔گورنر جنرل غلام محمد اور مہاجر کمشنر عزیز اللہ نے ہر موقع پر اس کمیٹی کا ساتھ دیا اور ان کی راہ میں حائل مشکلات کو دور کرنے میں ہر قسم کی مدد فراہم کی ۔ایک موقع پر کمیٹی بدنظمی کے باعث کھوکھراپار میں اپنا ریلیف کیمپ بند کرنے والی تھی کہ عزیز اللہ ریلیف کمیٹی کے سیکریٹری عبدالعزیز دانہ والا جن کی رہائش گاہ زینب منزل گاڑی کھاتہ میں واقع تھی رات گیارہ بجے پہنچے اور کہا کہ گورنر جنرل صاحب نے پیغام بھجوایا ہے کہ کھوکھراپار کا ریلیف کیمپ بند نہیں کیا جائے اور بذریعہ ٹیلی گرام وہاں امدادی کارروائی جاری رکھنے کی ہدایات دی جائیں اس کے ساتھ ہی اگلے روز سے کھوکھراپار کے لئے وقت کی پابندی کے ساتھ ریلوے سروس بحال ہوگئی ۔امدادی سامان اور پانی کی رسد باقاعدہ ملنے لگی اس کے علاوہ حکومت نے کمیٹی کو پچاس ہزار من گندم بھی دی۔

میمن ریلیف کمیٹی نے مہاجرین کے لئے امدادی خدمات 1955ء تک جاری رکھیں اس دوران بیس سے پچیس لاکھ مہاجرین ان کی خدمات سے فیض یاب ہوئے۔ کمشنر عزیز اللہ،کراچی کے ایڈمنسٹریٹر ہاشم رضا وقتاً فوقتاً کراچی کے مختلف مہاجر کیمپوں کا معائنہ کرتے رہتے تھے ان دو صاحبان کے سوا کسی بھی وزیر،سیاسی رہنما یا مذہبی عالم کو اتنی فرصت نہیں ملی کہ ان مہاجر کیمپوں میں آتے اور مہاجرین کی ہمت بندھاتے۔ 1954ء میں گورنر جنرل غلام محمد نے ریلیف کمیٹی کو ایک تعریفی خط ارسال کیا تھا ان کے علاوہ کسی بھی سیاسی یا عوامی رہنما نے ریلیف کمیٹی کی کارکردگی کا کبھی ذکر تک نہیں کیا لیکن وہ لاکھوں مہاجرین جو بھارت سے بے سروسامانی کی حالت میں یہاں آئے تھے آج تک میمن ریلیف کمیٹی کو تشکر کے ساتھ یاد کرتے ہیں جس نے انہیں پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی حسن سلوک اور ضروری امداد کی فراہمی کے ساتھ اس نئے وطن میں خوش آمدید کہا۔

جوناگڑھ کے ساتھ ہندوستان کا سلوک

برصغیر کی آزادی کے آٹھ ماہ بعد جوناگڑھ سمیت کاٹھیاواڑ کی تمام ریاستوں پر مشتمل ایک صوبہ سوارشٹر تشکیل دیا گیا تھا۔ 1956ء میں سوارشٹر کو عظیم تر صوبہ بمبئی کے ساتھ شامل کر کے اس علیحدہ وجود کو بھی ختم کر دیا گیا اس کے بعد 1960ء میں صوبہ مہاراشٹر نے بمبئی شہر چھین لیا اور بقیہ تمام علاقے کو صوبہ گجرات کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔اس تمام عرصہ میں جوناگڑھ کو ایک ضلع کا مقام دیا گیا تھا جس کی سرحدیں تبدیل ہوتی رہتی تھیں موجود ضلع جوناگڑھ بہ نسبت سابقہ ریاست جوناگڑھ کے کافی وسیع علاقے پر پھیلا ہوا تھا۔

ریاست پر بھارتی قبضے کے بعد مسلمانوں خصوصاً میمن برادری کی بڑے پیمانے پر ہجرت کے بعد اس پورے علاقے کی معیشت متزلزل ہوگئی تھا کیوں کہ یہ لوگ ہی ریاست کے سب سے بڑے صارف تھے بہت سی چھوٹی چھوٹی صنعتیں بند ہوگئیں اور اتنے ہی کاریگر اور مختلف اشیاء کے چھوٹے چھوٹے دکاندار بیکار ہو گئے تھے۔اس کے باوجود حکومت بھارت سابقہ ریاست جوناگڑھ کے متعلقہ علاقے کی ترقی کے لئے دانستہ طور پر کوئی اسکیمیں نافذ نہیں کرتی تھی۔حکومت ہند کی یہ دانستہ لاپروائی 1971ء تک جاری رہی۔شملہ معاہدے کے بعد حکومت بھارت کو شاید یہ یقین ہوگیا کہ حکومت پاکستان اب ریاست جوناگڑھ کے لئے کوئی دعویٰ نہیں کرے گی چنانچہ اس کے بعد جوناگڑھ کے متعلقہ علاقے کی ترقی کے لئے بڑے پیمانے پر کوششوں کی ابتدا ہوئی یہ علاقہ پہلے ہی قدرتی وسائل کی دولت سے مالا مال تھا۔اب جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ متعدد صنعتیں قائم ہوئیں جس کی وجہ سے یہ علاقہ بڑی تیزی کے ساتھ اقتصادی ترقی کے مراحل طے کرنے لگا۔اس کے ساتھ ہی اس کی تاریخی یادگاروں کے سبب وہاں سیاحت کو فروغ حاصل ہو رہا ہے یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ حکومت بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں آج تک سیاحت کے علاوہ کسی بھی بڑی صنعت کی بنیاد نہیں ڈالی۔اس صنعتی ترقی کا تقریباً تمام تر مفاد ان ہندوؤں کو حاصل ہوا ہے جو بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔مسلمانوں میں سے کھیتوں، کھلیانوں کے مالکان کچھ آسودہ حال ہیں ان کے سوا تمام مسلمان یا تو غریب ہیں یا نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور ڈرائیور، کنڈکٹر، پھیری والے، مزدور اور چھوٹے چھوٹے دکاندار کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔زندگی کی نصف صدی عبور کرنے والے لوگ جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں آج بھی نوابی دور حکومت کو بہت ہی محبت اور وارفتگی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اس دور میں انہیں جو تعلیمی، عدالتی، سماجی اور مذہبی سہولتیں، حوصلہ افزائی اور آسائشیں مہیا تھیں۔وہ ان کے ماضی کی یاد کا خوشگوار حصہ بن گئی ہیں جوناگڑھ کے ہندو مصنفین نے سابقہ ریاست کے بارے میں جو کتابیں شائع کی ہیں اس میں صرف نواب مہابت خانجی کے پاکستان سے الحاق کے فیصلے پر تنقید کی گئی ہے اس کے سوا نوابی دور حکومت کے خلاف کوئی شکایت یا الزام تراشی نہیں ملتی۔نوابی خاندان کے تقریباً تمام محلات کا اس وقت سرکاری دفاتر کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔موتی باغ، جہاں متعدد اقسام کے درخت، پودے اور نباتات کا ذخیرہ اکٹھا کیا گیا تھا۔وہاں اس وقت ایک ایگریکلچرل کالج قائم کیا گیا ہے۔کاٹھیاواڑ کی سب سے پہلی پبلک لائبریری ہونے کا خصوصی اعزاز رکھنے والی بہادر خانجی لائبریری آج بھی اسی نام سے موجود ہے اور ہر سال لاکھوں قارئین، طلباء، دانشور اور محققین مستفید ہوتے ہیں۔اسی طرح جمیل شاہ داتار کی یاد میں قائم کیا گیا لپروسی اسپتال آج بھی ہزاروں مریضوں کی خدمت کر رہا ہے داتار کی پہاڑی پر واقع جمیل شاہ داتار کے تکیہ کی رونق آج بھی پہلے کی طرح قائم و دائم ہے۔گرنار پر واقع ہندو اور جین مذاہب کے مقدس مقامات کی اہمیت میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔جوناگڑھ میں پبلک میٹنگ کے بعد سردار پٹیل اور دیگر ہندو رہنماؤں نے سومناتھ کے بوسیدہ کھنڈرات کا دورہ کیا تھا اور اس کی فوری از سر نو تعمیر کا اعلان کیا تھا۔اس کام کے لئے جام صاحب نے اپنی جانب سے ایک لاکھ روپے اور شامڑ داس گاندھی نے عوام کی جانب سے اکیاون ہزار روپے کا اعلان کیا تھا۔مندر از سر نو تعمیر ہو جانے کے بعد بھارت کے صدر راجندر پرشاد نے اس کا افتتاح کیا لیکن یہ نئی تعمیر ماضی کی عمارت کے مقابلے میں کوئی خاص بڑی یا شاندار نہیں ہے۔ماضی میں روزانہ ہزاروں عقیدت مند سومناتھ کے درشن کے لئے آتے تھے۔اس کے مقابلے میں فی الحال روزانہ صرف بعض سیاح اس کو دیکھنے آتے ہیں۔13 نومبر 1947ء کے روز بہاؤالدین کالج کے وسیع احاطے میں سردار ولبھ بھائی پٹیل نے ایک تقریر کی تھی جس کے دوران کچھ حاضرین نے بہاؤالدین کالج کا نام بدلنے کا مطالبہ کیا تھا۔اس کے جواب میں سردار پٹیل نے شیخ بہاؤالدین کو ایک عظیم محبِ علم قرار دیتے ہوئے خراج تحسین پیش کیا تھا اور ان کی یاد میں قائم کئے گئے اس کالج کا نام بدلنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

پاکستان کی خوشحالی کا راز

نواب مہابت خانجی کے الحاق جوناگڑھ کے اٹل فیصلے کے نتیجے میں پاکستان آنے والے ان گجراتی مسلمانوں اور خصوصاً میمنوں نے بھارت میں بھاری نقصان اٹھانے کے باوجود پاکستان کی اس وقت کی بیمار و کمزور معیشت کو استحکام بخشنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کاٹھیاواڑ کے میمن مسلم لیگ کے پرجوش حامی تھے جس کے نتیجے میں بانٹوا اور کتیانہ کے میمنوں کو مکمل طور پر لوٹ لیا گیا۔ بیشتر دیگر مقامات کے ہزاروں میمنوں کو اپنے گھر بار، کاروبار اور کروڑوں روپے کی املاک چھوڑ کر پاکستان آنا پڑا۔ اس ہجرت کے نتیجے میں مختلف طبقوں کے میمنوں کو کل کتنا نقصان ہوا اس کا صحیح تخمینہ لگانا تو ناممکن ہے لیکن ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ نقصان چند ارب روپوں تک جا پہنچتا ہے۔ میمن برادری کے مختلف چوٹی کے تاجروں کو بھارت میں املاک اور دیگر اثاثوں کا کتنا بھاری نقصان ہوا۔ اس کی صرف ایک مثال یہاں پیش کی جا رہی ہے۔ بانٹوا میں حسین قاسم دادا کے خاندان کی کل دو کروڑ اٹھائیس لاکھ روپے کی غیر منقولہ جائیداد تھی۔ ان میں سے دو کروڑ روپے کی جائیداد "وقف الاولاد" کے طور پر قاسمی فنڈ کے نام تھی۔ بیس لاکھ روپے کی رقم دیگر مقاصد کے لئے حسینی فنڈ کے نام تھی اور آٹھ لاکھ روپے کی جائیداد حسین قاسم گرانٹ اینڈ چیریٹیبل وقف فنڈ کے نام تھی۔ ان کے اس تمام متروکہ جائیداد کے دعویٰ کے نتیجے میں ان کو اور ان کے دس بیٹوں کو پاکستان میں پینتیس لاکھ روپے کا معاوضہ دیا گیا تھا۔ آزادی کے وقت برصغیر میں ان کی 102 کاروباری شاخیں موجود تھیں۔ جن میں سے صرف دس کے سوا باقی تمام بھارت میں واقع تھیں۔ حکومت بھارت نے ان تمام شاخوں کو متروکہ جائیداد قرار دے کر ضبط کر لیا تھا۔ ان تمام شاخوں میں کروڑہا روپے کا تجارتی سامان موجود تھا۔ ان سے کئی شاخیں اپنی نجی عمارتیں رکھتی تھیں۔ اس کے علاوہ مختلف بینکوں اور صنعتوں میں دادا خاندان کے پچاس لاکھ روپے نقد اور حصص بھی تھے انہیں ان تمام املاک اور اثاثوں کا معاوضہ نہیں دیا گیا۔ دیگر تاجروں نے بھی کروڑہا روپے بینک کی نقدی، تجارتی سامان، جائیدادیں اور اثاثے گنوا دیئے۔ اس کے باوجود بھی میمن برادری نے دو چیزیں نہیں کھوئی تھیں۔ کاٹھیاواڑ کے باہر ان کی وسیع تجارتی سلطنت پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کا بہت بڑا حصہ متروکہ جائیداد قرار دیکر بھارتی کسٹوڈین نے ضبط کر لیا تھا پھر بھی بعض تاجر وہاں سے اچھی خاصی نقد رقومات اپنے ساتھ لانے میں کامیاب رہے تھے۔ جس نے پاکستان کی متزلزل معیشت کو سہارا دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ دوسری چیز جو لٹیرے میمنوں سے نہ لوٹ سکے تھے وہ ان کی تجارتی سوجھ بوجھ، حوصلہ اور مہارت تھی جو ان کو کسی بھی نئے مشکل اور پیچیدہ حالات میں بھی نہایت مختصر عرصہ میں صف اول تک پہنچانے کی طاقت رکھتی تھی۔

پورے کاٹھیاواڑ کے تو کجا لیکن صرف بانٹوا کے میمنوں کی ہجرت سے پاکستان کو کتنے بڑے فوائد حاصل ہوئے۔ اس کا ذکر معروف مصنف جناب رئیس احمد جعفری نے حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے۔ سردارگڑھ اور بانٹوا پر ہندوستانی فوجوں نے قبضہ نہ کیا ہوتا اور وہاں کے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ نہ توڑے ہوتے تو پاکستان کو اتنا بڑا نقصان پہنچتا کہ اس کا وجود خطرے میں پڑ جاتا۔ کاٹھیاواڑ کے سردارگڑھ اور بانٹوا کے میمنوں میں کوئی کروڑ پتی اور کوئی ارب پتی نہ تھے پر لکھ پتی تو نہ جانے کتنے تھے ان کا کاروبار وسیع تھا اور ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد ان کا قطعاً یہ ارادہ نہیں تھا کہ ترک وطن کر کے پاکستان چلے جائیں جو ان کی کب سے ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ کیوں کہ نہایت منظم طور پر سندھ کے ہندو ساہوکار، تاجر اور صنعت کار اپنا سارا سرمایہ لے کر ہندوستان آ گئے تھے سندھ میں کسی ہندو کی نکسیر تک نہیں پھوٹی تھی لیکن سرمایہ داروں نے صرف اس لئے ترک وطن کیا تھا کہ پاکستان کی معیشت کو دھکا لگے اس طرح وہ اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکے گا کیوں کہ نہ اس کے پاس سرمایہ دار ہیں نہ تاجر نہ صنعتکار، اس لئے اس ملک کا دیوالیہ ہونا ایک قطعی اور یقینی امر ہے لیکن بانٹوا اور سردارگڑھ کے میمن اپنی مہارت اور سرمایہ لے کر پاکستان آ گئے اور یہاں آتے ہی انہوں نے ہندوؤں کا چھوڑا ہوا کاروبار اس خوبی سے سنبھال لیا جیسے کہ ہمیشہ سے وہ یہیں رہتے کام کرتے چلے آئے تھے۔ اس موضوع پر مدبر سیاستدان نواب صدیق علی خان اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں۔ "اقتصادیات کے ہندو ماہرین نے مجوزہ ملک پاکستان کے قیام کے خلاف پروپیگنڈا کیا کہ ہندو جاتی کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ نیا ملک ایک دن سے زیادہ قائم نہیں رہ سکے گا اور یہ ثابت کرنے کے لئے اعداد و شمار پیش کئے۔ تحقیقات کی رپورٹیں پیش کی گئیں۔ الحاصل ہر وہ چیز پیش کی گئی جس سے اس امر کو تقویت پہنچے کہ پاکستان ایک مٹی کا گھروندا ہے جو خود بخود ٹوٹ جائے گا یا جس وقت چاہیں گے اس کو پیر تلے رگڑ دیں گے۔ دوسرا یہ بھی گھمنڈ تھا کہ تجارت کی منڈیوں پر مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کا ابھی بہت کچھ قبضہ ہے اور بعد میں تو پورا پورا قبضہ ہو جائے گا پھر مسلمان کیسے پنپ سکیں گے۔ تیسرے وہ اس غرور میں بھی سڑ رہے تھے کہ مسلم علاقوں سے ہندوؤں اور تاجروں کا فوراً نکلا کر کے پاکستان کو مفلوج کر دیں گے وہ اس غلط فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ کچھی اور میمن بھائی جنہوں نے ہندوستان میں کروڑہا روپیہ کا سرمایہ تجارت اور املاک میں لگا دیا ہے۔ ہندوستان کو کبھی چھوڑ کر پاکستان نہیں جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا یہ قیاس بالکل درست تھا کیوں کہ ہمارے تاجر بھائی اپنا کاروبار اور مال ومتاع ہندوستان میں چھوڑ کر نہ آتے لیکن اللہ بھلا کرے سردار ولبھ بھائی پٹیل کا جنہوں نے دھوراجی میں مسلم تاجروں کو دھمکی دی اور ان سے توہین آمیز سلوک کیا۔ ہم اس موقع پر سابق صدر کانگریس اچاریہ کرپلانی کو بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ انہوں نے بلاوجہ ہمارے

صوفی منش سندھی ہندو بھائیوں پر اپنا ذاتی اثر ڈال کر اور ڈراؤنے خواب دکھلا کر راجہ داہر کے ملک کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس خلا کو جنوبی وسط ہند اور راجستھان سے آنے والے مسلمانوں نے پر کیا۔

ہمارے ہندو بھائی بغیر کسی روک ٹوک کے پاکستان سے دھن دولت یہاں تک کہ طوطے کا پنجرہ اور سل بٹا تک لے کر بھارت ماتا کے چرنوں میں بیٹھنے کے لئے چلے گئے وہ تو بغیر کسی روک ٹوک کے اس طرح گئے جیسے کوئی ایک ہی شہر میں ایک محلے سے دوسرے محلے میں منتقل ہو جائے۔ قائداعظم کی سخت تاکید تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی چھیڑ خانی نہ ہو اور انہیں آنے جانے اور ان کے اثاثہ کو لے جانے کی مکمل آزادی ہو اور اس لئے ہی روزانہ گدھے اور اونٹ گاڑیوں کا بندرگاہ تک ایک تانتا بندھا رہتا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ جانے والے جو ورغلائے اور گمراہ کئے گئے تھے۔ حسرت و یاس سے اپنے وطن عزیز کو آخری بار دیکھتے ہوئے ہمیشہ کے لئے رضا کارانہ طور پر چھوڑ رہے تھے۔ یہ لوگ زندہ دل جفاکش لیکن عیش پرست تھے۔ ان کے جانے سے ہمارے ملک میں ایک عرصہ تک بے رونقی رہی اور اقتصادی زندگی بھی چند دنوں تک کے لیے متاثر ہوئی میمن بھائیوں دھلی کے سوداگروں اور دیگر مسلم تاجروں نے بجلی کی سرعت سے کام کر کے ملک کے اقتصادی نظام کو ایسا سنبھالا کہ عقل حیران رہ گئی۔" میمنوں اور دیگر گجراتی مسلمانوں نے پاکستان میں تجارت، صنعت، تعلیم، سخاوت اور فلاح و بہبود کے شعبہ ہائے زندگی میں جو اہم خدمات انجام دی ہیں اس کو بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے یا پھر اتنا کہنا کافی ہوگا کہ پاکستان کی چودہ کروڑ کی آبادی میں گجراتی مسلمان صرف چار فیصد ہونے کے باوجود مندرجہ بالا تمام شعبہ جات میں ان کا حصہ ان کی آبادی کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ رہا ہے۔ اسٹاک ایکسچینج، صنعت، بلڈنگ، تعمیرات، چیمبرز اور دیگر تجارتی اداروں میں وہ اہم مقام کے حامل ہیں۔ نیز اس برادری کے صلح پسند، پرامن اور پرخلوص ہونے کی وجہ سے لوگ انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دیگر اقوام کے مقابلے میں گجراتیوں کے پڑوس میں رہائش اختیار کرنے کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ سب گجراتی مسلمان اعلیٰ قسم کا سماجی نظام رکھتے ہیں۔ ان کی ہر ایک برادری کے متعدد سماجی ادارے ہیں جو جماعت کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ یہ جماعتیں سماجی، معاملات میں نظم وضبط نافذ کرتی ہیں۔ فرسودہ رسم ورواج کو ختم کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں اور اپنے مستحق ارکان کو مختلف طریقوں سے امداد دیتی رہتی ہیں ان میں سے کئی سماجی اداروں نے متعدد کلینک، ہاسپٹل، زچہ خانے، اسکولز، مدرسے، کالجز وغیرہ قائم کئے ہیں جن سے ہر پاکستانی بلاامتیاز قوم ونسل مستفید ہو سکتا ہے۔ یہ تمام ادارے ہر سال اپنی کارکردگی کی سالانہ رپورٹ شائع کرتے ہیں اور ان کے عہدیداران کا باقاعدہ انتخاب کیا جاتا ہے۔ ان میں سے چند بڑی برادریوں کے اپنے مرکزی ادارے بھی ہیں۔ گجراتی مسلمانوں میں تعلیم کا اوسط بہ نسبت دوسری اقوام سے زیادہ ہے۔ یہ تمام گجراتی خدمتی ادارے ہر سال خدمت خلق کے لئے کل کتنی رقومات خرچ کرتے ہیں۔ ان کا اندازہ کئی کروڑوں تک جا پہنچتا ہے۔ تاریخ کا بہاؤ مسلسل جاری رہتا ہے اس کو روکا یا واپس موڑا نہیں جا سکتا۔ بیسویں صدی کے وسط میں تاریخ کے زبردست سیلاب میں دنیا کے تقریباً تمام ملکوں کی بادشاہتیں بہہ گئیں۔ اس کے ساتھ ریاست جوناگڑھ بھی تاریخ پارینہ بن گئی لیکن دوسو سال قدیم بابی ریاست کی یہ بربادی ایک نوازائیدہ وسیع ملک کی خوشحالی کا سبب بن گئی۔

نواب مہابت خانجی نے اپنی ریاست کے الحاق کا فیصلہ کیا اس وقت شاید ہی کسی کے وہم وگمان میں یہ بات ہوگی کہ صرف 3 ماہ کے بعد بھارتی افواج کے قبضے اور لوٹ مار کے ساتھ ریاست کے بیشتر مسلمان اور ان کے ساتھ کاٹھیاواڑ اور گجرات کے لاکھوں مسلمان اپنی تجارتی سوجھ بوجھ، مہارت اور حوصلے کی دولت کے ساتھ پاکستان پہنچ جائیں گے اور پاکستان کی متزلزل معیشت جس کے بارے میں پیشگوئیاں کی جاتی تھیں کہ یہ صرف چھ ماہ میں ختم ہو جائے گی، اس کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر کھڑا کر کے ہر کسی کو حیرت میں ڈال دیں گے اور اس کے بعد بھی ملک کی تعمیر وترقی میں اہم کردار ادا کرتے رہیں گے۔ نواب مہابت خانجی کے فیصلے کے نتیجے میں گجراتی مسلمانوں کے طاقتور بہاؤ نے پاکستان کی ویران معیشت کو ثمر آور بنا دیا۔ ریاست جوناگڑھ خود ختم ہوگئی، بانٹوا اور کتیانہ شہید ہو گئے لیکن ان کی خاک پاکستان کو خوشحال کر گئی۔

نوابؒ محمدؒ جہانگیر خانجی

جوناگڑھ تاریخ کا گم شدہ باب نہیں ہے۔ جوناگڑھ بھی موجود ہے اور اس کے نواب بھی حیات ہیں۔ بھارت بہ ظاہر اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو چکا ہے اس نے جوناگڑھ پر غاصبانہ قبضہ کر کے اسے اپنی مملکت کا حصہ بنا لیا ہے لیکن دنیا جانتی ہے کہ اس سرزمین کے اصل مالک کون ہیں اور اسے بہر حال ایک نہ ایک روز اس مملکت کو اس کے اصل مالکوں کے حوالے کرنا ہوگا آج جوناگڑھ کے نواب جہانگیر خانجی ہیں جو اپنی رعایا کی خدمت میں دن رات کوشاں ہیں۔ نواب جہانگیر خانجی دلاور خانجی کے بیٹے اور نواب مہابت خانجی کے پوتے ہیں۔ وہ 1955ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کانونیٹ جوزف اینڈ میری کلفٹن سے حاصل کی اس کے بعد آپ کا داخلہ برن ہال ایبٹ آباد میں ہو گیا۔ آٹھ سال تک وہاں آپ تعلیم حاصل کرتے رہے پھر کراچی تشریف لے آئے۔ ایک سال آپ نے یہاں پرائیویٹ تعلیم حاصل کی پھر آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے

سوئٹزر لینڈ چلے گئے ۔ وہاں آپ چار سال رہے اس دوران آپ نے تین امتحان دیئے اور گریجویشن کیا۔ سوئٹزر لینڈ میں اسکینگ کے مقابلے میں آپ کو گولڈ میڈل ملا۔ واپسی پر آپ نے کراچی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اس کے بعد آپ کا داخلہ برطانیہ، کینڈا اور کیلی فورنیا (امریکہ) کی بہترین یونیورسٹیوں میں ہو رہا تھا مگر آپ نے اپنے والد دلاور خانجی کے کہنے پر باہر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور چھوٹے بھائی کو باہر بھیج دیا۔ نواب دلاور خانجی آپ پر بے حد شفقت کرتے تھے۔ آپ نے ان کے چرنوں میں بیٹھ کر بہت کچھ سیکھا اور اپنی رعایا کا درد صحیح معنوں میں آپ نے وہیں محسوس کیا۔ نواب جہانگیر خانجی نے ہوش سنبھالتے ہی جوناگڑھ کے مسئلے کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ جوناگڑھ کے حوالے سے وہ بہت کچھ سنتے اور انہیں اس بات کا احساس ہوتا کہ ان کے خاندان اور آنے والے لوگوں کی کوئی قیمتی چیز گم ہو چکی ہے۔ اپنے ساتھ وہ لوگوں کی محبتیں اور عقیدتیں دیکھتے تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ آگے جا کر انہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ جلد ہی انہوں نے یہ بات محسوس کر لی کہ جوناگڑھ ریاست ان کی ہے اور جس پر بھارت نے قبضہ کر لیا ہے اور وہ ریاست جوناگڑھ کے ولی عہد ہیں۔ یہ بات انہیں دکھی کر گئی اور آپ چپ چپ سے رہنے لگے۔ وقت کا سفر جاری رہا۔ نواب دلاور خانجی جوناگڑھ کے لئے ہمہ تن مصروف رہے۔ رضائے الٰہی سے انہوں نے دنیا سے منہ موڑا تو ساری ذمے داریاں آپ کے کندھوں پر آ گئیں۔ ان مشکلات سے گھبرانے کے بجائے آپ نے ہمت سے کام لیا اور پوری تن دہی کے ساتھ جوناگڑھ کی بھلائی میں مصروف ہو گئے۔

9 اکتوبر 1991ء کو جوناگڑھ ہاؤس کراچی میں آپ کی دستار بندی ہوئی آپ جوناگڑھ کی رعایا کا درد شروع سے ہی اپنے دل میں محسوس کرتے آئے ہیں۔ جوناگڑھ کو وہ اپنی ذات کا حصہ سمجھتے ہیں اور اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رعایا کی فلاح و بہبود میں مصروف عمل ہیں۔ جوناگڑھ ہاؤس کے دروازے آج بھی جوناگڑھ کی رعایا کے لئے کھلے ہیں۔ وہ روتی آنکھوں سے آتے ہیں اور مطمئن و شاداب واپس لوٹ جاتے ہیں۔ نواب جہانگیر خانجی کی موجودگی ان کے لئے اطمینان کا باعث ہے۔ نواب جہانگیر خانجی جوناگڑھ کے مسئلے کے حل کے بارے میں بڑے پر امید ہیں۔ وہ اللہ کی ذات پر یقین رکھے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ مسئلہ انشاءاللہ جلد حل ہو جائے اور وہ جوناگڑھ کی رعایا کے لئے بہتر طور پر کام کر سکیں گے۔ نواب جہانگیر خانجی جوناگڑھ بلدیہ ویلفیئر کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ آپ جوناگڑھ کے معاملے پر بڑے حساس ہیں جوناگڑھ کی رعایا کے لئے آپ اپنے دل میں بڑا درد رکھتے ہیں رعایا کو کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو آپ ان کے لئے ہمہ وقت دستیاب رہتے ہیں۔ آپ نے اپنی رعایا کے لئے سرٹیفکیٹ جاری کئے اور بے پناہ سوشل ورک کیا۔ جوناگڑھ کی رعایا کی بہتری کیلئے اور ان کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں جن میں سب سے بڑا مسئلہ پانی کا ہے اس کے علاوہ انجینئرنگ اور میڈیکل کی دو دو سیٹیں بھی بحال کرانے کا پروگرام رکھتے ہیں اور ریاست جوناگڑھ سے آئے ہوئے لوگوں کو پاکستانی نیشنلٹی بھی دلائیں گے۔ آپ فرینڈز آف تھر کمیٹی کے رکن بھی رہ چکے ہیں اور رکن ہونے کے باوجود اس کمیٹی کے لئے آپ کی بڑی خدمات ہیں۔ اس وقت بھی آپ کی پوری کوشش ہے کہ میمن گجراتی برادری کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر لیں اور انہیں اس بات کا کامل یقین ہے کہ وہ اپنی اس کوشش میں ضرور کامیاب ہوں گے اور جوناگڑھ کے مسئلے کو بین الاقوامی سطح تک اٹھانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

انشاءاللہ!

تاریخی معلُومات

☆ ریاست جونا گڑھ کا رقبہ 3684 مربع میل ہے۔

☆ ریاست جونا گڑھ کی آبادی 18 مارچ 1921ء تک 465493 تھی۔

☆ ریاست جونا گڑھ کا ساحل 150 میل کے فاصلے پر ہے۔

☆ ریاست جونا گڑھ کی ویراول بندرگاہ کراچی سے صرف 300 میل کے فاصلے پر ہے۔

☆ ریاست جونا گڑھ 999 شہر اور گاؤں کی ریاست ہے۔

☆ جونا گڑھ کی سرکاری زبان گجراتی ہے۔

☆ جونا گڑھ کا قدیم نام مصطفٰی آباد تھا۔

☆ جونا گڑھ قدیم ترین شہر ہے جس کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ بغیر کسی وقفہ کے جاری ہے۔

☆ ریاست جونا گڑھ کے حکمران بابی خاندان کا پیشرو یوسف زئی قبیلے کا ایک پٹھان عادل تھا۔

☆ جونا گڑھ کے گیر جنگلات میں ببر شیر ہیں جو افریقہ کے سوا دنیا میں کہیں نہیں۔

☆ 713ء سندھ کاٹھیاواڑ گجرات (سوراشٹر) میں اسلامی اثرات کا آغاز ہوا۔

☆ 1026ء عظیم فاتح سلطان محمود غزنوی نے سومناتھ فتح کیا۔

☆ 1297ء علاؤالدین خلجی نے گجرات فتح کیا۔

☆ 1411ء تغلق کی وفات کے بعد احمد شاہ نے گجرات کی مستحکم آزاد سلطنت قائم کی۔

☆ 1472ء سلطان محمد بیگڑا نے جونا گڑھ فتح کیا اور پرتگالیوں کا مقابلہ کیا۔

☆ 1537ء پرتگالیوں نے بہادر شاہ کو قتل کرا دیا۔

☆ 1572ء اکبر اعظم نے جزیرہ نما مغل سلطنت میں شامل کر لیا۔

☆ 1732ء نواب بہادر خان (اوّل) کی تاج پوشی ایک چبوترے پر املی کے پیڑ تلے ہوئی۔

☆ 1735ء عالمگیر وفات کے بعد شیر خان نے بابی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

☆ 1947ء ریاست جونا گڑگ نے پاکستان کے ساتھ الحاق کر لیا۔

اہم معلُومات

☆	02 جون 1947ء	تقسیم ہند کے منصوبہ کا اعلان
☆	15 اگست 1947ء	وجود پاکستان کے ساتھ ہی الحاق جونا گڑھ کا اعلان
☆	15 ستمبر 1947ء	حکومت پاکستان کی طرف سے الحاق جونا گڑھ کی منظوری
☆	17 ستمبر 1947ء	جونا گڑھ کے فوجی محاصرہ کا فیصلہ
☆	25 ستمبر 1947ء	ممبئی میں جانا گڑھ کو عارضی حکومت کی تشکیل
☆	30 ستمبر 1947ء	راجکوٹ میں جونا گڑھ ہاؤس پر قبضہ
☆	22 اکتوبر 1947ء	ریاست مانا ودر پر بھارتی افواج کا قبضہ
☆	24 اکتوبر 1947ء	ریاست جونا گڑھ پر قبضہ کی ابتداء
☆	26 اکتوبر 1947ء	نواب مہابت خانجی کی کراچی روانگی
☆	29 اکتوبر 1947ء	بانٹوا پر بھارتی افواج کا قبضہ
☆	01 نومبر 1947ء	مانگرول پر بھارتی بحریہ کا قبضہ
☆	09 نومبر 1947ء	سقوط جونا گڑھ
☆	10 نومبر 1947ء	کتیانہ کی پہلی لوٹ مار
☆	14 نومبر 1947ء	بانٹوا میں لوٹ مار
☆	18 فروری 1948ء	اقوام متحدہ میں مسئلہ جونا گڑھ پر بحث
☆	06 اگست 1955ء	نواب جہانگیر خانجی کی کراچی میں پیدائش
☆	19 نومبر 1957ء	دیوان ریاست جونا گڑھ سر شاہنواز بھٹو کا انتقال
☆	07 نومبر 1960ء	نواب مہابت خانجی کی کراچی میں وفات
☆	21 اپریل 1961ء	نواب مہابت خانجی کی دستار بندی صدر ایوب خان نے کراچی میں کی
☆	30 جولائی 1989ء	نواب دلاور خانجی کی کراچی میں وفات
☆	09 اکتوبر 1991ء	نواب جہانگیر خانجی کی جونا گڑھ ہاؤس کراچی میں دستار بندی

JUNAGADH STATE MUSLIM FEDERATION

Registered Under Societies Registration Act XXI of 1860 Reg 3369/71-72

PLOT NO.ST - 2/C, BLOCK-17, SIR SHAH SULEMAN ROAD,

NEAR NATIONAL STADIUM, GULSHAN-E-IQBAL, KARACHI PLOT

www.junagadhstate.org www.junagadhstate.com

Designing & Composing

M. Anis

0923332238048

PAK SOURTH MACHIYARA JAMAT (Reg)

Email: paksourthmachiyarajamat@yahoo.com